اللہ
www.KitaboSunnat.com
گناہ چھوڑنے کے
انعامات
ابراہیم بن عبداللہ الحازمی
نظرثانی واضافہ: محمد طاہر نقاش
دار الابلاغ
DARULIBLAGH

الله
گناہ
چھوڑنے
کے
انعامات

DARULIBLAGH

کتاب و سنّت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

نام کتاب .... گُناہ چھوڑنے کے انعامات

تالیف .... ابراھیم بن عبداللہ الحازمی

مترجم .... حافظ محمد عباس انجم گوندلوی

اعداد و اضافہ .... محمد طاہر نقاش

اشاعت اوّل .... نومبر 2002ء

تعداد .... ایک ہزار

قیمت .... 80 روپے

دارالابلاغ کی جملہ کتب پاکستان بھر میں جماعت الدعوۃ کے مراکز کتب' دارالسلام کے شورومز' الکریمیہ اور دارالھدیٰ کی بیسٹ لائبریریوں سلفی کتب خانوں سے طلب فرمائیں نیز لاہور: مکتبہ قدوسیہ' نعمانی کتب خانہ' اسلامی اکادمی ... بازار لاہور۔ فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ' دارارقم' بجوانہ بازار فیصل آباد۔ پشاور: معراج کتب خانہ قصہ خوانی بازار پشاور۔ کراچی: مکتبہ ... اقبال' دی بک ڈسٹری بیوٹرز خداداد کالونی کراچی۔ راولپنڈی: تسہیلات طیبہ شمسی بازار ... سے طلب فرمائیں۔

ناشر:- دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان

مَنْ تَرَكَ شَيْئًا لِلّٰهِ عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهُ (الحديث)

جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز (گناہ) چھوڑ دی اللہ تعالیٰ اسکو اس کے بدلے ضرور نعم البدل دیگا

گناہ چھوڑنے کے انعامات

مصنف: ابراھیم بن عبداللہ الحازمی

مترجم: حافظ محمد عباس انجم گوندلوی

نظرثانی واضافہ: محمد طاہر نقاش

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز لاہور پاکستان

فہرست مضامین

مَنْ تَرَكَ لِلّٰهِ شَيْئًا
عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِّنْهُ (الحدیث)

جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز (گناہ) چھوڑ دی اللہ تعالیٰ اسکو اس کے بدلے ضرور نعم البدل دیگا

حرف آغاز

انعامات کا ملنا اور چھین لیا جانا

"انعامات" نعمت سے ہے اور نعمت اس کو ملتی ہے جو محنت کرتا ہے' کوئی اچھا کام کرتا ہے' کوئی کارنامہ سرانجام دیتا ہے' کسی کو فائدہ اور نفع پہنچاتا ہے' کسی کو نقصان سے بچاتا ہے' یا کسی قسم کی قربانی دیتا ہے' وہ قربانی خواہ مالی ہو بدنی یا جانی ہو ..... یا پھر وہ برے افعال کو ترک کر کے ایک باصلاحیت فائدہ بخش اور نیک فرد بن کر ایک نمونہ و ماڈل بن جاتا ہے۔ ...... پھر معاشرے میں ہر فرد و بشر اس کو عزت و توقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے' اس کے لیے دیدۂ دل اور فرش راہ کرتا ہے' اس کے لیے آنکھیں بچھاتا ہے' اس کی عزت و احترام کرتا ہے اور اس کی زندگی کو اپنے لیے بطور نمونہ و ماڈل بنا لیتا ہے۔ ایسے ہی افراد رہتی دنیا تک کے لیے لوگوں کے لیے قابل نمونہ مثال بن جاتے ہیں۔

انعام یافتہ لوگ کون ہیں اور ان کی شان کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان انعام یافتہ لوگوں کا تذکرہ بڑے احسن و اعلیٰ پیرائے میں فرمایا ہے اور ہمیں تعلیم دی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن پر میں نے انعامات کی بارش کی' میں ان سے راضی ہو گیا' اب تم ان کو اپنے لیے قابل اتباع اور نمونہ بنا لو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا تذکرہ کرنے سے پہلے فرماتے ہیں:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○ ﴾ (الفاتحه : 1/1)

تا ۵)

"تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں جو تمام جہانوں (کی مخلوقات) کا پرورش کرنے والا ہے (ان کو رزق دینے والا ہے) وہ بہت مہربان اور نہایت ہی رحم کرنے والا ہے۔ ہم خاص طور پر صرف اور صرف اسی کی ہی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں۔ (اے اللہ) ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے۔"

اللہ تعالیٰ کی اس قدر تعریفات و تحمیدات بیان کرنے کے بعد بندہ اللہ کے دربار میں یہ درخواست رکھتا ہے کہ مجھے سیدھی راہ دکھا دے تاکہ میں اس پر چل کر کامیاب ہو سکوں۔ اس کے بعد جو کلمات اللہ کریم نے بندوں کی زبان سے ادا کروائے ہیں وہ بتا رہے ہیں کہ انعام یافتہ بندوں کی اللہ کے نزدیک کس قدر شان و شوکت' مرتبہ و فضیلت اور قدر و منزلت ہے۔ اس کو واضح کرتے ہوئے اس کے بعد اللہ نے بندے کی زبان سے نکلوایا:

﴿ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴾

(الفاتحہ: ۱/۷)

"(اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا دے) ان لوگوں کا راستہ کہ جن پر تو نے انعام کیا نہ کہ ان لوگوں کا راستہ کہ جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ ان کا کہ جو گمراہ ہوئے۔"

گناہ چھوڑ کر نیک عمل کرنے والوں کی شان

اب جن لوگوں کی اس قدر شان رب کائنات بیان کر رہا ہے کہ میں نے خاص طور پر اپنے ان بندوں پر انعامات کی بارش کی۔ قرآن سے تلاش کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ انعام یافتہ لوگ انبیاء علیہم السلام صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں واضح کیا ہے یہ میرے انعام یافتہ بندے ہیں' جو انسان گناہ چھوڑ کر نیک اور اعمال صالح کو اختیار کرتے ہوئے اللہ اور رسول

کی اطاعت کرے گا اس پر میں یہ انعام کروں گا کہ اسے آخرت میں جنت میں اپنے ان برگزیدہ و انعام یافتہ بندوں کے ساتھ رکھوں گا۔ اس کو ان کی ہمیشہ کی رفاقت اور ساتھ نصیب ہو گا۔ اسی بات کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ۝ ﴾ (النساء : ۴/۶۹)

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور رسول کی تابعداری کریں (ان کے حکم کے مطابق زندگی گزاریں) وہ جنت میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعامات کی بارش کی یعنی انبیاء صدیق اور شہید اور نیکوں کے ساتھ۔ اور ان لوگوں کا ساتھ (رفاقت کس قدر) اچھا ساتھ ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ وہ اطاعت کرنے والوں' کہا ماننے والوں کو بھی بڑے درجے والوں کے ساتھ رکھے گا) اور اللہ خوب جانتا ہے۔"

اندازہ لگائیں کہ دنیا کی ہر طرح کی آسائشوں و فراوانیوں اور زینتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے برائی اور گناہ سے کنارا کش رہتے ہوئے اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کے لیے کس قدر اعلیٰ انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں پر قیامت کے دن جنت الفردوس کی صورت میں بھی انعام کریں گے اور پھر ان کو اعلیٰ ترین جنت میں اپنے پیاروں انبیاء صدیقین شہداء اور صالحین کے سنگ ان کی رفاقت میں رکھیں گے' یہ ان کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں گے' ان سے بغیر کسی رکاوٹ سے بات چیت کریں گے' ہمیشہ ان کے ساتھ ساتھ رہیں گے۔

کچھ صحابہ کے دل میں یہ شوق پیدا ہوا کہ جنت میں رسول اللہ کی رفاقت اور ساتھ حاصل ہو جائے۔ تو کیا کہنے !! اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ صحیح مسلم میں ربیعہ بن کعب اسلمی سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ سے درخواست کی کہ مجھے جنت میں آپ کا ساتھ نصیب ہو۔ آپؐ نے فرمایا: "کثرت سجود (کثرت نوافل) سے

میری مدد کر۔ اسی طرح ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ :

((اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ))

"امانت دار اور سچ بولنے والا تاجر قیامت کے دن انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔" (ابن کثیر رازی)

دیکھیں! اطاعت و اخلاص پر رفاقت کا یہ درجہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام اور فضل و کرم ہے۔ جو اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کے بدلے میں مل رہا ہے۔ اور اطاعت کیا ہے کہ جو نیک اعمال بتا دیئے گئے ہیں ان کو اختیار کرتے چلے جانا اور جن برے کاموں سے روک دیا گیا ہے ان سے اجتناب کرنا اور اگر ان کا ارتکاب کر لیا ہے تو اللہ کریم سے توبہ کر کے ان کو چھوڑ دینا۔ یہی اطاعت ہے۔

اعمالِ صالح کا انعام حکومت و سلطنت کا قیام

انہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دونوں جہانوں میں بڑی بڑی نعمتیں عطا فرماتا ہے۔ دنیا کی تمکنت' خلافت' نیابت' سلطنت اور امارت دے کر دنیا کی بادشاہیاں عطا کرتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

﴿ وَعَدَاللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوْا الصّٰلِحَاتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْئًا وَ مَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ (النور : ۲۴/۵۵)

"ایماندار اور عمل صالح والوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ انہیں ضرور بالضرور ملک کا حاکم بنا دے گا جیسا کہ ان لوگوں کو بنا دیا تھا جو ان سے پہلے تھے' اور یقیناً ان کے لیے اس دین کو مضبوطی کے ساتھ محکم کر کے جما دے گا جسے ان کے لیے پسند فرما چکا ہے اور ان کے خوف و خطر کو امن و امان میں بدل دے گا اگر میری ہی عبادت کریں گے۔ میرے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ اس کے بعد جو میری ناشکری کرے گا وہ یقیناً

نافرمان ہی نافرمان ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو پورا فرمایا اور مسلمان اور اللہ کے نیک بندے دنیا کے حاکم بنے۔ اب بھی اگر کوئی اس آیت کے مطابق نیک عمل کرے تو کھوئی خلافت و سلطنت کو اللہ تعالیٰ دوبارہ دلا دے گا۔ اس لیے کہ اس نے یہ یقین دھانی کروائی ہے کہ :

﴿ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران :۱۳۹/۳)

"اگر م سچے مؤمن رہو گے تو سب سے اونچے اور سربلند ہو گے۔"

غور کریں کہ اگر دنیا کا کوئی امیر کبیر فرد ہو گا تو وہ کسی سے خوش ہو کر اس کو چند ہزار یا لاکھ روپے دے دے گا یا بہت کرے گا تو زمین کا کچھ قطعہ دے دے گا۔ اگر کوئی آفیسر ہو گا یا حکمران ہو گا تو خوش ہو کر انعام میں اچھی نوکری دینے کے احکامات جاری کر دے گا لیکن رب العالمین کے گناہ چھوڑ کر نیک اعمال اختیار کرنے والے بندے کے لیے انعامات کا اندازہ لگائیں کہ وہ اپنے بندوں کے خلوص اطاعت کا کس قدر قدر دان ہے کہ اس کا انعام شروع ہی مغفرت و رضا مندی کا سرٹیفکیٹ اور حور و غلمان و دودھ و شہد کی نہروں سے بھری جنتوں سے ہو گا۔ اور پھر ان جنتوں میں انعام میں وہ ہمسائیگی اور رفاقت کا اعزاز بھی بخشتا ہے تو انبیاء شہداء صدیقین و صالحین کا..... کس قدر اعلیٰ قدر دان ہے ..... کس قدر اعلیٰ و ارفع انعام و اکرام ہے۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ انعام اسے دیا جاتا ہے جو کوئی کارنامہ انجام دے۔ اگر آپ اس رنگ برنگی گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر جانے والی دنیا پر نظر ڈالیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ آج شیطان نے برائی کو نہایت پر کشش انداز میں پیش کیا۔ اور اکثر لوگ اس برائی و منکر اور شہوات کے گڑھے میں گرتے جا رہے ہیں۔ کسی کو اس قعرمذلت سے نکلنے کی فکر نہیں۔ وہ گناہوں کے سمندر میں ہی غوطہ زن ہو کر خوش ہے اور وہ گناہ کا اس قدر عادی ہو چکا ہے کہ اب یہ گناہ اس کی نس نس میں خون بن کر دوڑ رہا ہے' وہ اس کا اس قدر عادی ہو چکا ہے کہ اس کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔

اگر کہیں اس کو وعظ و نصیحت کی جائے اور سمجھایا جائے تو وقتی طور پر جان چھڑانے کے لیے وعدہ وعید کرتا ہے کہ اب میں ایسا نہیں کروں گا۔ لیکن پھر وہ عزم مصمم کے باوجود گناہوں بھرے معاشرے میں جاتا ہے تو ہر طرف منکرات و معاصی کی حکمرانی اور ریل پیل دیکھتا ہے۔ تو بھول جاتا ہے کہ میں نے کیا وعدہ کیا تھا...... اور ایک دفعہ پھر گناہوں کی دلدل میں چھلانگ لگا دیتا ہے ...... اور پھر آہستہ آہستہ گناہوں کہ جن کا وہ ارتکاب کرتا ہے کے حق میں خود تراشیدہ دلائل' حیلے بہانے تاویلیں اور جواز ڈھونڈ لیتا ہے اور پھر وہ لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ جو وہ گناہ کرتا ہے یہ سچ ہے' حق ہے' اس کے بغیر گزارہ نہیں' یہ چھوٹنا ناممکن ہے' اگر میں اس کو چھوڑ دوں تو فلاں نقصان اٹھاؤں گا وغیرہ وغیرہ۔ یوں وہ گناہوں کے ارتکاب کے لیے نئی نئی راہیں ڈھونڈتا رہتا ہے۔ ایسے حالات میں گناہ چھوڑ کر نیکی کی راہ اختیار کرنا بہت مشکل ہے جو اللہ کی رحمت سے ہی ممکن ہے۔ یہ سب شیطان کے وسوسے ہوتے ہیں جو وہ اس کے ذہن میں ڈالتا ہے کہ دیکھنا اگر تم نے یہ برائی چھوڑ دی تو تجھے اتنا اتنا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ جبکہ رسول اللہ نے یہ گارنٹی دی ہے کہ :

((مَنْ تَرَكَ لِلّٰهِ شَيْئًا عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهُ))

"کہ جس نے اللہ کو راضی کرنے کے لیے کوئی چیز (برائی) چھوڑی اللہ تعالیٰ ضرور اس کو بدلے میں اس سے بہتر (فائدہ بخش چیز) عطا فرمائیں گے۔"

اس سے بہتر دو صورتوں میں ہے کہ اس کی انفاق (فی سبیل اللہ خرچ کرنے والی نیکی کا دس گنا دنیا میں ہی اس کو عطا کریں اور ۷۰ گنا آخرت میں دیں گے اور اگر اللہ چاہیں تو اس کو سات سو گنا بھی کر دیں۔

یہ اس طرح سمجھیں کہ ایک آدمی ایک روپیہ نیکی کے کام میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی اس کے بدلے میں اس کو دس گنا یعنی ایک کے بدلے میں ۱۰ روپے کا فائدہ ضرور دے گا اور ۷۰ روپے کا آخرت میں اور اگر چاہے تو ۷۰ کو بڑھا کر ۷۰۰ گنا بھی کر دے۔ یہ نیکی کرنے والے کے خلوص پر منحصر ہو گا کہ وہ کس قدر

خلوص نیت اور للہیت کے جذبے سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔

یہ تو ایک منظر تھا انعام یافتہ لوگوں کے متعلق اور ان پر اللہ کی طرف سے کیئے گئے انعامات کے متعلق' اس سے ہمیں پتہ چلا کہ گناہ چھوڑ کر نیکی اختیار کرنے کے یہ فائدے ہیں۔ لیکن یاد رکھیں اگر برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں اور ان کو ترک نہ کریں تو ان کا وبال یوں پڑتا ہے کہ نہ صرف نئے انعامات ہونے بند ہو جاتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندے پر جو انعامات ہو چکے ہیں وہ بھی ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ یوں بندے کو پہلے سے عطا شدہ انعامات سے بھی محروم ہونا پڑتا ہے۔ اس کے متعلق امام ابن قیم رحمہ اللہ الجواب الکافی لمن سال عن الدواء الشافی میں لکھتے ہیں:

معاصی حاضر اور مستقبل کی نعمتوں کو زائل کر دیتے ہیں

گناہوں کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ اس سے حاضر و موجود انعامات الٰہیہ زائل ہو جاتے ہیں اور حاضر و موجود کے زائل ہو جانے کے بعد مستقبل میں ملنے والی نعمتوں سے بھی انسان محروم ہو جاتا ہے۔ آئندہ ملنے والی نعمتیں۔ اس لیے منقطع ہو جاتی ہیں کہ موجود و حاضر نعمت الٰہیہ کی حفاظت کے لیے اور غیر موجود غیر حاضر نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے اطاعت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی سے حاصل ہو سکتی ہیں اور جب اطاعت کی جگہ معاصی کا ارتکاب کیا جائے۔ تو وہ نعمتیں جو اطاعت سے ملتی ہیں ان سے بندہ محروم ہو جاتا ہے۔

حق سبحانہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے کچھ اسباب بنائے ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ اور کچھ آفتیں پیدا کی ہیں۔ جن سے وہ چیز فنا ہو جاتی ہے۔ انعامات الٰہیہ کو جلب کرنے کا سبب اللہ تعالیٰ کی طاعت ہے۔ اور فنا کرنے اور روکنے والی آفت معصیت اور گناہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کے لیے اپنے انعامات کی حفاظت کرنا چاہتا ہے تو اسے القاء فرماتا ہے کہ وہ اس کی پوری پوری اطاعت کرے۔ اور جب کسی سے اپنے انعامات چھین لینا چاہتا ہے اور اسے ذلیل کرنا چاہتا

ہے تو اسے اس بات میں لگا دیتا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور گناہوں میں صرف کرے۔

یہ کچھ عجیب بات ہے کہ لوگ گناہوں کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اپنے اور دوسروں کے حالات ان کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں اور گناہوں کی پاداش میں جن لوگوں سے انعامات الٰہیہ سلب کر لیے گئے۔ ان کے حالات پڑھتے اور سنتے ہیں۔ پھر بھی معصیت کے ارتکاب سے باز نہیں آتے۔ گویا یہ سمجھ رہے ہیں کہ اللہ کا یہ معاملہ دوسروں کے ساتھ ہے۔ ان کے ساتھ نہیں۔ یہ اس سے مستثنیٰ ہیں اور اللہ کے اس عمومی قاعدہ سے خصوصی طور پر یہ علیحدہ کر دیئے گئے ہیں۔ دوسری مخلوق کے لیے یہ سزا ہے۔ ان کے لیے نہیں۔ بتاؤ دنیا میں اس سے بڑھ کر کون سی جہالت ہو سکتی ہے؟ اور اپنی جان پر اس سے بڑھ کر کون سا ظلم ہو سکتا ہے؟ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ

امام ابن قیم ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

گناہ بندے کو انعامات الٰہیہ سے محروم کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہیں۔

گناہ کی ایک سزا یہ بھی ہے کہ بندہ اللہ کریم کے انعامات سے محروم ہو جاتا ہے اور اللہ کی ناراضی و خفگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب کسی بندے سے کوئی نعمت سلب کر لی جاتی ہے یا وہ کسی نکبت و عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔ تو اس کا سبب اس کی نافرمانی اور عصیان ہی ہوتے ہیں۔ سیدنا علیؓ فرماتے ہیں:

((مَا نَزَلَ بَلَاءٌ اِلَّا بِذَنْبٍ وَلَا رَفَعَ بَلَاءٌ اِلَّا بِتَوْبَةٍ))

"جو مصیبت نازل ہوتی ہے۔ گناہوں کی وجہ سے نازل ہوتی ہے اور جو مصیبت رفع ہوتی ہے توبہ کی وجہ سے رفع ہوتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا اَصَابَكُمْ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ (الشوریٰ)

: ۳۰/۴۲)

"اور تم پر جو مصیبت پڑتی ہے۔ خود تمہارے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے پڑتی ہے اور بہت سی تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔"

اور ارشاد ہے:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ (انفال: ۵۳/۸)

"یہ اس وجہ سے کہ جو نعمت اللہ نے کسی قوم کو دی ہو جب تک وہ لوگ خود اپنے اندر تغیر نہ پیدا کر لیں اللہ کی عادت نہیں کہ ان نعمتوں میں کوئی رد و بدل کر دے۔"

اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہ خبر دیتا ہے کہ اللہ جس قوم یا جس شخص پر انعام فرماتا ہے اور اپنے لطف و کرم سے نوازتا ہے۔ اس کو اس وقت تک اس نعمت سے محروم نہیں فرماتا جب تک کہ وہ خود اپنے کو محرومی کا حقدار اور مستحق نہ بنا لیں۔ جب بندہ غلط راہ پر چل پڑتا ہے اور اللہ کی اطاعت و عبادت کی جگہ معصیت و گناہ اور شکر گزاری کی جگہ کفران نعمت کرنے لگتا ہے۔ اسباب رضامندی کی جگہ اسباب خشم و ناراضی پیدا کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی نعمتیں اس سے چھین لیتا ہے۔ اور عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اور بد اعمالی کی سزا ٹھیک دی جاتی۔ جیسا عمل ویسی سزا۔

﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾

"تمہارا پروردگار بندوں کے حق میں ظالم نہیں ہے۔"

اگر بندہ طاعت و عبادت کو معصیت و گناہ سے تبدیل کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی خیر و عافیت کو عقوبت و عذاب سے اور عزت کو ذلت سے بدل دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ

سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴾ (سورہ رعد: ۱۳/۱۱)

"اللہ تعالیٰ کسی قوم کے ساتھ اپنے سلوک میں ہرگز کوئی تغیر و تبدل نہیں کرتا۔ جب تک وہ قوم خود اپنے اندر کوئی تغیر و تبدل نہ کر بیٹھے اور جب اللہ کسی قوم کے حق میں برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا اور نہ ان لوگوں کو اللہ کے مقابلہ میں کوئی حمایتی مل سکتا ہے۔"

بعض آثار الٰہیہ۔ یعنی احادیث قدسیہ میں وارد ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

((وَ عِزَّتِيْ وَ جَلَالِيْ لَا يَكُوْنُ عَبْدٌ مِنْ عُبَيْدِيْ عَلَى مَا اُحِبَّ۔ ثُمَّ يَنْتَقِلُ مِنْهُ اِلٰى مَا اَكْرَهُ اِلَّا انْتَقَلْتُ لَهٗ مِمَّا يُحِبُّ اِلٰى مَا يَكْرِهُ وَلَا يَكُوْنَ عَبْدٌ مِنْ عُبَيْدِيْ عَلٰى مَا اَكْرَهُ فَيَنْتَقِلُ عَنْهُ اِلٰى مَا اُحِبَّ اِلَّا انْتَقَلْتُ لَهٗ مِمَّا يَكْرِهُ اِلٰى مَا يُحِبُّ))

"قسم ہے میری عزت و جلال کی! جب میرا کوئی بندہ وہ کام کرتا ہے جو مجھے محبوب ہے اور پھر وہ اسے چھوڑ کر وہ کام کرنے لگتا ہے جو مجھے ناپسندیدہ ہے تو میں بھی اسے اس کی محبوب چیز سے محروم کر دیتا ہوں جو کہ اسے مکروہ اور ناپسند ہے' اس کی طرف منتقل کر دیتا ہوں۔ اور جب میرا کوئی بندہ مکروہ و ناپسندیدہ کام کرتا ہے اور پھر وہ اسے ترک کر کے وہ کام کرنے لگتا ہے جو مجھے محبوب ہے' تو میں اسے اس کی ناپسندیدہ چیز سے الگ کر کے اس کی محبوب و پسندیدہ چیز کی طرف لے جاتا ہوں۔ (یعنی عطا کر دیتا ہوں)

اور کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

اِذَا كُنْتَ فِيْ نِعْمَةٍ فَارْعِهَا
فَاِنَّ الذُّنُوْبَ تُزِيْلُ النِّعَمَ

"جب تمہیں کوئی نعمت حاصل ہو تو تم اس کی رعایت کرو کیونکہ گناہ نعمت

کو زائل کر دیتے ہیں۔"

جب کوئی بندہ گناہوں کے سمندر میں غوطے لگا رہا ہوتا ہے۔ جب اس کو احساس ہوتا ہے کہ اس سے تو میرا خالق و مالک ناراض ہوتا ہے' میں نے مرنے کے بعد اس کے دربار میں کھڑا ہونا ہے' جب وہ مجھ سے میری موجودہ زندگی کے متعلق پوچھے گا تو میں کیا جواب دوں گا' کیا عذر کروں گا' کون سا حیلہ بہانہ کروں گا کہ جو میری جاں بخشی ہو جائے' بے شک وہ علام الغیوب تو پہلے سے ہی ہر بات کا علم رکھنے والا ہے ...... تو پھر میری اس گناہوں بھری زندگی کا انجام کیا ہو گا ..... اور پھر سر سجدے میں رکھ کر توبہ کرتا ہے' گڑگڑاتا ہے' اپنے مولا کریم و رحیم کو مناتا ہے' آنکھوں سے آنسو بہاتے ہوئے' گڑگڑاتے ہوئے کانپتے ہوئے اپنے بے پرواہ مولا کے در پر جھک جاتا ہے۔ ہچکیوں اور سسکیوں کے درمیان وہ اپنے سابقہ گناہوں کی معافیاں مانگتا ہے اور آئندہ سے ان کا ارتکاب نہ کرنے کا وعدہ کرتا ہے ..... اور پھر وہ اپنے بے پرواہ رب سے کئے ہوئے وعدے پر قائم رہتے ہوئے گناہوں کو چھوڑ دیتا ہے اور نیکیوں و سعادتوں کی شاہراہ پر چل کر زندگی گزارتا ہے۔ ہر وقت نیکیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ ایسے بندے کی آنکھ سے آنسو بہتے ہی اللہ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ایسے ہی عاجز بندے کے متعلق اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے:

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ ﴾

"اور جو کوئی (قیامت کے دن) اپنے مالک کے سامنے کھڑے ہونے (یعنی جو ابد ہی) سے ڈرتا رہا اس کو دو باغ ملیں گے۔"

مفسرین نے لکھا ہے کہ: اس بندے کو ایک باغ اطاعت کے صلہ میں ملے گا جبکہ دوسرا ترک معصیت کے بدلہ میں ملے گا۔ (شوکانی)

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں گناہ چھوڑنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے پسندیدہ برگزیدہ انعام یافتہ بندوں کی رفاقت نصیب فرمائے۔ ہمیں اپنی زندگی میں معاصی کو خیرباد کہہ کر اپنے انعامات کا حق دار بننے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں اپنے

پیارے نبی ﷺ کی اس حدیث کے مصداق بننے کی سعادت نصیب فرمائے کہ جس میں آپ نے یہ مژدہ جانفزا سنایا ہے:

((مَنْ تَرَكَ لِلّٰهِ شَيْئًا عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهُ))

"جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز (برائی) چھوڑ دی اللہ اسے اس کے بدلہ میں اس سے بہتر عطا فرمائے گا۔"

بے شک اس کے لیے تمام رفعتیں، طاقتیں، سعادتیں اور توفیقیں اسی کی جانب سے عطاء ہوتی ہیں۔ وہ ہم پر بھی اپنی رحمت کی برکھا برسا کر اپنے خاص بندوں میں شامل کر لے اور اس کتاب کو عامۃ الناس کے لیے زیادہ سے زیادہ فائدہ مند بنائے اور اس کو لکھنے یا اس کی تیاری میں کسی بھی طرح حصہ لینے والوں کے لیے اجر و ثواب کا باعث اور آخرت میں ذریعہ نجات بنا دے آمین یا رب العالمین۔

خادم کتاب و سنت

محمد طاہر نقاش

یکم اکتوبر ۲۰۰۲ء بروز منگل

لاہور

مقدمہ

تارکین معاصی بہتر بدلہ کے حقدار

اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَهْدِيْهِ وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَ مِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ۔

اما بعد:

قانون فطرت مخلوق کے بارے میں یہ قانون الٰہی ہے کہ اگر کوئی حرام کام تک رسائی حاصل کر لینے کے باوجود اس برائی کو ترک کر دے تو اس وجہ سے جو اس دنیا میں اسے رنج و الم پہنچتا ہے' اس کے عوض اللہ تعالیٰ اسے اس عالم رنگ و بو میں تمام مسرتوں سے ہمکنار کرتے ہیں اور اگر اس برائی کو ترک کرنے سے ہلاکت واقع ہو جائے تو یہ بہت بڑی کامرانی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو اس کی خاطر تکلیف برداشت کرتا ہے۔ جو کوئی کسی برائی کے جنجال سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی نگہبانی فرماتے ہیں اور اس کی بے شمار قدردانی کرتے ہیں۔

مثال نمبر ا یوسف علیہ السلام' عزیز مصر کی بیوی کی دعوت گناہ کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی خاطر ٹھکرا کر جیل کی کال کوٹھری میں پابند سلاسل ہونا پسند کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے عوض یہ عنایت فرمائی کہ ان کو سرزمین مصر کا مقتدر اعلیٰ بنا دیا کہ پوری سلطنت کے سیاہ و سپید کے مالک بن گئے۔

ذرا غور فرمائیں۔

یوسف علیہ السلام کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے کس قدر بے پایاں جزا عطا فرمائی ہے کہ قید کی تنگنائیوں سے رہائی دلا کر پوری سرزمین مصر کا اقتدار مہیا کر دیا' عزیز مصر اور اس کی اہلیہ دونوں سرنگوں ہو گئے۔ عزیز مصر کی بیوی اور اس کی ہمجولیاں سرعام آپؑ کی براءت و پاکدامنی اور گناہ سے لاتعلقی کا اعلان کر رہی ہیں۔

آغاز آفرینش سے روز قیامت تک اپنے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا یہی قانون ہے کہ اپنے بندوں کو برائی چھوڑنے کا وہ ثمرہ ضرور دے گا۔

مثال نمبر۲ جب سلیمان بن داوٗد علیہما السلام اپنے گھوڑوں میں مگن (مصروف) ہو جانے کی وجہ سے نمازِ عصر ادا نہ کر سکے' یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا' تو اس صدمہ کی تاب نہ لا سکے۔ انہوں نے اپنے اسپانِ باوفاؤں (قیمتی و نایاب گھوڑوں) کو کاٹ کر رکھ دیا۔ تو اس کے عوض' اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بادِ صبح گاہی (ہواؤں کو) تابع فرمان کر دیا' کہ اس کے دوش توانا پہ سوار ہو کر جہاں چاہیں جائیں۔[۱]

---

[۱] یہ اس واقعے کی جانب اشارہ ہے جو سورہ ص نمبر۳۱ تا ۳۳ آیات میں ہے۔ اذ عرض علیه بالعشی الصفنت الجیاد' فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب۔ ردوھا علی فطفق مسحا بالسوق والاعناق "جب سلیمان علیہ السلام پر تین پاؤں پہ کھڑے ہونے والے عمدہ گھوڑے دوپہر کے بعد پیش کئے گئے' انہوں نے کہا میں نے ان کو اپنے رب کے ذکر سے بھی زیادہ پیارا جانا ہے یہاں تک کہ سورج پس پردہ ہو گیا ہے۔ انہیں میرے پاس لوٹاؤ تو ان کی گردنوں اور پنڈلیوں کو ہاتھ مارنا شروع کیا۔ ایک تفسیر تو گھوڑوں کو تلوار سے مارنا ہے۔ لفظی ترجمہ تو یوں ہے کہ وہ ان کی ٹانگوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کا اکثر مفسرین نے وہی مطلب بیان کیا ہے جو اس کتاب کے متن میں درج ہے دوسرے مفسرین نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام گھوڑوں کی گردنوں اور ٹانگوں سے غبار جھاڑنے لگے۔ ابن جریر نے اسی کو اختیار کیا ہے مگر حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ پہلا مطلب زیادہ صحیح ہے۔ اور اس پر ﴿ فسخرنا له الریح ﴾ کا صلہ مل رہا ہے۔ (ابن کثیر) شاہ (رفیع الدین) صاحبِ بھی لکھتے ہیں : پھر غصے ہوئے اور ان گھوڑوں کو منگوا کر کاٹ ڈالا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا جوش تھا۔ ان کی تعریف فرمائی۔ (نقاش)

مثال نمبر ۳ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والوں نے اپنے گھروں اور مانوس وطنوں کو جو کہ انہیں ہر چیز سے محبوب تھے' خیر باد کہا تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ان پر اس کائنات میں فتوحات کے دروازے کھول دیئے' چار دانگ عالم میں ان کی فرمانروائی کے پھریرے لہرانے لگے۔

اگر چور خوف الٰہی سے لبریز ہو کر' رضائے الٰہی کی خاطر' کسی بے خبر معصوم کا مال چرانے سے گریز کرے تو' اللہ پاک اسے اتنا ہی اپنی جناب بے حساب سے مال حلال فراہم کریں گے جتنا اس نے چھوڑا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ مَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

(الطلاق : ۶۵/۲۔۳)

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈر گیا وہ اس کے لیے (برائی کے جال سے) نکلنے کی جگہ بنائے گا اور اسے وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اس کا وہم و گمان بھی نہ ہو گا۔"

اللہ سبحانہ و تعالیٰ خبردار فرما رہے ہیں کہ جب کوئی انسان ناجائز کام مجھ سے لرزہ بر اندام ہو کر چھوڑے گا تو میں اس کی تجوریاں وہاں سے بھروں گا جو اس کے خانہ تصور سے بھی ماوراء ہیں۔

اسی طرح سیاہ کار اگر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حرام عصمت دری کی بے لگام سواری پہ سوار نہ ہو گا تو اللہ پاک اس کے بدلہ میں اس سے بہتر اور حلال اسباب تسکین برآری اس کے لیے مہیا فرما دے گا۔

اے انسان! ...... اگر تیرے سینہ پر خزینہ میں دل بیدار دھڑک رہا ہے' تو خوب جان لے!

جو شخص کسی عورت پر حرام کاری کے لیے دست قدرت حاصل کر لیتا ہے۔ پھر محض اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اس عورت سے روسیاہی و بدکاری ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن کہ جو دل شکن گھبراہٹ والا دن ہے' اسے امن

و سکون سے نوازیں گے' اور آتش دوزخ اس پر حرام کر دیں گے اور اسے جنت میں داخلہ نصیب ہو گا۔ اس بارے میں سیدنا قتادہ بن دعامہ سدوسی رحمہ اللہ ایک جلیل القدر تابعی ہیں۔ فرماتے ہیں:

"جو انسان بھی حرام کاری پہ مکمل دسترس حاصل کر لیتا ہے پھر اسے صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس فانی دنیا میں آخرت سے پہلے اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائیں گے۔ جو اس محرومی سے کئی گنا بڑھ کر ہو گا۔"

(سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا قول) ہے کہ:

"جو بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کچھ چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ اس سے کئی گنا بڑا دیتے ہیں اور جو کہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔"[1]

اس کی تائید وہ حدیث بھی کرتی ہے جس کو زہری نے سیدنا سالم سے انہوں نے اپنے باپ سے مرفوع (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب) بیان کیا کہ:

"جب بندہ کوئی چیز صرف اللہ کی خاطر چھوڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اس کے دین میں اور اس کی دنیا میں بہتری پیدا کرتے ہیں۔"[2]

ایک دیہاتی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت

سیدنا ابو قتادہ اور ابو دھماء رحمہما اللہ دونوں اکثر بیت اللہ کے لیے روانہ سفر رہتے تھے۔

---

[1] حلیۃ الاولیاء (۱۹۶/۲) قال الالبانی وکیع نے کتاب الزہد ج ۲ ص ۶۳۵ میں' ھناد نے رقم ۸۵۱ و فی نسخہ ۹۳۷ میں' ابو نعیم نے حلیہ ج ۲۵۳/۱ میں اسے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں کوئی کوتاہی نہیں بتائی۔

[2] مسند احمد (۷۹/۵' ۳۶۳) و صحہ الالبانی علی شرط مسلم الضعیفۃ (۱۹/۱) ابو نعیم فی الحلیہ ج ۲ ص ۱۹۶۔

یہ دونوں فرماتے ہیں : ایک مرتبہ ہم ایک بادیہ نشین (دیہاتی) کے پاس آئے تو اس دیہاتی نے ہمیں واقعہ سنایا کہ :

رسول اللہ ﷺ نے مجھے ہاتھ سے پکڑ کر بعض ان تعلیمات سے آشنا کرایا جن پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آگاہی دے رکھی تھی۔ آپ نے فرمایا :

"اے بدوی! کوئی بھی ناجائز بات یا کام اگر تو اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے ترک کرے گا تو اللہ عز و جل تجھے اس سے بہتر عنایات و نوازشات سے نوازے گا۔" [1]

برائی ترک کرنے والے کو ایمان کا حلہ پہنایا جائے گا

سیدنا سہل بن معاذ بن انس جہنی اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"جو شخص لباس شہرت و فخر طاقت رکھنے کے باوجود' رضائے الٰہی کی چوکھٹ پہ سرنگوں ہوتے ہوئے چھوڑ دے' نہ پہنے' تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے روبرو بلائیں گے اور اسے اختیار دیں گے اپنی مرضی کے مطابق' (جونسا چاہے) ایمان کا جوڑا زیب تن کرے۔" [2]

انہی سے معمولی فرق کے ساتھ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

"جو قدرت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز و انکساری کرتے ہوئے

---

[1] ترمذی۔ کتاب صفة القیامة : باب (۳۹) (ح ۲۴۸۱)۔ مسند احمد ج ۵ ص ۳۶۳۔ بیہقی ج ۵ ص ۳۳۵۔ کتاب البیوع باب : کراھیة مبایعة من اکثر مالہ من الربا الخ وکیع نے کتاب الزہد میں اور قضاعی نے اپنی مسند میں بیان کیا ہے۔ اس کی سند صحیح ہے۔

[2] ترمذی ج ۲ ص ۷۹' ابواب صفة القیامہ' مع تحفة الاحوذی ج ۳ ص ۳۱۲۔ حاکم ج ۴ ص ۱۸۳۔ احمد ج ۳ ص ۴۳۹۔ ابو نعیم ج ۸ ص ۴۸۔ ترمذی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔

شہوت رانی چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ مخلوق کے سامنے اس کی حوصلہ افزائی کریں گے۔" (یعنی اسے عزت بخشیں گے) [1]

نظربازی سے پرہیز کا صلہ

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اجنبی عورت کی جانب نظر ڈالنا' ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو اسے خوف الٰہی سے نہ دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ایسے ایمان تک رسائی کرائیں گے' جس کی حلاوت و شیرینی وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرے گا۔" [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی تائید میں حدیث آتی ہے۔

آدمی کا اجنبی عورت کے حسن کی جانب نگاہ ڈالنا' ابلیس کے زہر آلود تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ جو اس نظربد کے تیر چلانے سے باز رہا اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے عبادت مسرت افزا سے شاد کام کریں گے۔" [3] اس کو عمر بن شبہ نے بیان کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حرام کے عوض خیر ہی سے نوازا ہے

جو چیز اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پہ حرام قرار دی

---

[1] تاریخ الکبیر للبخاری (۱۰۱/٦) تفرد بہ ابو مرحوم عبدالرحیم بن میمون و فیہ ضعف۔ طب ۲۴۷/۸۔ حج ۲٦۴/۵ عن ابی امام ك عن حذیفہ

[2] مستدرك حاکم (۳۱۳/۴)

[3] اتحاف السعادۃ المتقین (۳۷/۹) لم اقف علی اسنادہ۔ مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۴۔ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن اسحاق واسطی ہے۔ جسے کوئی بھی کہتے ہیں' اس میں ضعف ہے۔ لیکن سیدنا علیؓ سے آنے والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔ نیز حاکم نے مستدرک ج ۴ ص ۳۱۳۔ قضاعی نے اپنی مسند ج ۱ ص ۱۹۵ میں طبرانی نے کبیر میں ص ۱۰۳٦۲ میں اور قضاعی نے ابن عمرؓ سے ج ۱ ص ۱۹٦ میں بیان کی ہے۔ یہ حدیث حسن ہے۔ ضعیف قرار دینے والا مؤقف درست نہیں۔ واللہ اعلم۔

ہے اس کے عوض' اس سے بہتر سے ہی نوازا ہے۔

- سود حرام قرار دیا ہے اس کے عوض نفع بخش تجارت جائز قرار دے دی ہے۔
- جوا کھیلنا حرام قرار دیا ہے تو اس کے عوض دین کی سربلندی کی خاطر گھوڑے' اونٹ اور تیر اندازی کے مفید مقابلہ کے ذریعہ مال غنیمت کھانا حلال قرر دیا ہے۔
- ریشم اگر حرام قرار دیا ہے تو اس کے عوض اون' السی' اور کاٹن کے بنے ہوئے انواع و اقسام کے لباس فاخرہ حلال قرار دیئے ہیں۔
- زنا کاری اور اغلام بازی کی ممانعت فرمائی ہے تو اس کے عوض حسین عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے۔
- اگر نشہ آور مشروبات حرام کیے ہیں تو ان کے عوض روح و بدن کے لیے لذیذ اور نفع رساں مشروبات کی اجازت دی ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے گانا بجانا اور آلات موسیقی حرام قرار دیئے ہیں تو اس کے عوض قرآنِ عظیم کی سماعت کا پر سرور اور وجد آور حکم دیا ہے۔
- اللہ عز و جل نے خبیث کھانے کی اشیاء حرام ہیں تو ان کے عوض پاکیزہ کھانے حلال قرار دیئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمتیں

یہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے عجائبات میں سے ہے کہ اس نے حلال کاموں میں فضیلت و ثواب کی نوید سنائی ہے' اس کے ساتھ ساتھ حلال کام میں صحت ہے اور طبیعت میں فرحت و مسرت کی لہر دوڑتی ہے اور حرام کام میں سزا' انحطاط و پستی' ذلت اور بیماری ہے جو طبیعت کو بے کل رکھتی ہے۔

کتاب کی غرض و غایت

یہ عبرت آموز واقعات' جنہیں میں نے خالص اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی رضا کی خاطر تحریر کیا ہے۔ میں اس سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور صفات علیا کے ذریعہ التماس کرتا ہوں کہ ان کو مسلمانوں

کے درمیان قبولیت کا شرف بخشے اور میں نے اس کا عنوان یہ رکھا ہے کہ:

"جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کوئی گناہ والی چیز چھوڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے بھلائی (بہتر بدلہ) دیتے ہیں۔"

یہ عنوان میں نے رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث سے بطور اقتباس لیا ہے اور میں نے موضوع کی اہمیت کے پیش نظر ان واقعات کو حدیث شریف کی روشنی میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ فللہ الحمد

بعض واقعات تو قرآن پاک میں مذکور ہیں' اور بعض صحیح احادیث اور سنت نبویہ میں سے حاصل کردہ ہیں۔ اور بعض صحابۂ کرام' تابعین کرام اور تبع تابعین کرام رحمہم اللہ کے ہیں۔ بعض واقعات ہمارے اس دور کے علمائے کرام سے حاصل کئے ہیں۔

یہ سچے واقعات ان عظیم ہستیوں کے ہیں' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت اور ہیبت کا شعور اپنے اندر پیدا کیا' جن کے سینوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی سزا کا ڈر انگڑائیاں لے رہا تھا۔ اور جن کی بیدار مغزی اس دنیا میں یہ دیکھ رہی تھی کہ ایک دن رب ذوالجلال کی بارگاہ میں پیشی ہونی ہے' وہ ایسا دن ہو گا نہ مال نہ بیٹے کوئی چیز کام نہ آئے گی جنہوں نے قرآن و سنت اور تقویٰ کو شعار بنایا۔ جی ہاں! یہ مثالی لوگ اس کے مستحق ہیں کہ ان کی سوانح حیات' سیرت و کردار کے عظیم کارناموں کے مطالعہ کے لیے ہم وقت نکالیں۔

ہر مسلمان چھوٹے' بڑے' مرد' عورت اور وہ نوجوانانِ رعنا جو اسلامی بیداری کے لیے بے تاب ہیں' اور ہر وہ انسان جو اپنی خواہش اور شیطان پر اللہ تعالیٰ کی رضاجوئیاں مقدم رکھتا ہے۔ کی خدمت میں' میں یہ تحفہ پیش کرتا ہوں جو موتیوں اور قیمتی جواہرات سے جڑا ہوا ہے۔ ہاں ہاں قیمتی یہ تحفہ بہت ہی زیادہ قیمتی ...... ہے۔

اللہ تعالیٰ ان سے درگزر فرمائیں اور اپنے لطف و مہربانی سے نوازیں۔

الراقم: معتز باللہ وحدہ

ابراہیم بن عبداللہ حازمی ریاض ۱۸-۹-۱۴۱۱ ھجری۔

اللہ تعالیٰ کی محبت میں گھوڑے ذبح کرنے کا انعام

ہواؤں کو تابع فرمان کر دیا گیا

سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی محبت میں گھوڑے ذبح کر دیے تو اللہ تعالیٰ نے اس جذبۂ خیر سگالی کے عوض ہوا کو مسخر کر دیا' وہ ان کی منشاء کے مطابق چلتی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ (ص: ۳۸/۲۹۔ ۳۳)

"اور ہم نے داؤد کو سلیمان (بیٹا) عنایت کیا۔ وہ اچھا بندہ (اللہ کی طرف) بہت رجوع رہنے والا تھا۔ جب سورج ڈھلے پر عمدہ اور اصیل گھوڑے اس کے سامنے لائے گئے تو کہنے لگا میں نے مال کی (گھوڑوں کی) محبت اللہ کی یاد سے زیادہ چاہی یہاں تک کہ سورج پردے میں چھپ گیا۔ (یعنی ڈوب گیا) (تو اس نے کہا) ان گھوڑوں کو میرے سامنے پیش کرو (وہ پیش کیے گئے) تو ان کی ٹانگیں اور گردنیں تلوار سے کاٹنا شروع کیں۔"

اللہ تعالیٰ یہاں ذکر فرماتے ہیں کہ میں نے داؤد علیہ السلام کو سلیمان علیہ السلام جیسا فرزند ارجمند عنایت فرمایا اور پھر اللہ سبحانہ نے ان کی مدح سرائی فرمائی ہے کہ وہ اپنے مولائے حقیقی کی بارگاہ میں بہت زیادہ پلٹنے (رجوع کرنے والے' محبت سے یاد کرنے والے تھے۔

پھر گھوڑوں کے بارے میں ان کا جو طرز عمل تھا اسے بیان فرمایا ہے۔ اسے

مسلمان یہ واقعہ، دلربا سننے کے قابل ہے، سماعت فرمائیں:

سلیمان علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے کی پسندیدہ خصلت کی بنا پر گھوڑوں سے بہت پیار کرتے تھے۔ آپ کے پاس مضبوط، اور تیز رفتار گھوڑے تھے۔ اور ان کے پہلو پروں سے مزین تھے (یعنی وہ پروں والے گھوڑے تھے) جو ہواؤں میں اڑتے تھے۔ اور ان کی تعداد (۲۰) بیس ہزار تھی۔ آپ ان کے جائزہ و معائنہ اور نظم و تنظیم میں مشغول رہے۔ اسی دوران نماز عصر نقش خیال سے اتر گئی کہ پڑھ نہ سکے۔ حالانکہ قصداً ایسا نہ کیا تھا۔ مگر جب یاد آیا کہ ان گھوڑوں کے پیار کی وجہ سے میری نماز فوت ہو گئی ہے تو کہنے لگے "اللہ ذوالجلال کی قسم! آج کے بعد میرے رب کی عبادت میں تم رکاوٹ نہ بن سکو گے۔" پھر ان کے پاؤں کاٹنے کا حکم دیا اور ان کی گردنیں اور کونچیں تلوار سے مارنے کا کہا۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندۂ خاص سلیمان علیہ السلام کو دیکھا کہ اس نے میرے اخلاص کی وجہ سے، میرے عذاب سے خوفزدہ ہو کر اور میری محبت و جلالت کے سامنے سرافگندہ ہو کر، صرف اس لیے ان نفیس گھوڑوں کو تہ تیغ کر دیا ہے کہ انہوں نے ان کو اپنی کشش میں اتنا محو کر دیا کہ نماز کا وقت نکل گیا ہے۔ تو اللہ کریم نے اس کا صلہ اس سے کئی گنا بہتر دیا کہ سبک اندام اور چابک فرام ہوا تابع فرمان کر دی۔ سلیمان علیہ السلام جہاں جانا چاہیں ان کے لیے رواں دواں رہتی تھی۔ ایک ماہ کا سفر آغازِ دن سے اور ایک ماہ کا سفر دن کے پچھلے پہر طے کر لیتی تھی۔ یہ گھوڑوں کی رفتار دلکشا سے کہیں بہتر اور تیز تر تھی۔

اس واقعہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی صداقت حقیقت کے روپ میں سامنے آجاتی ہے:

"اے انسان! اگر تو کوئی چیز بھی خوف الٰہی سے ترک کرے گا تو اللہ عزوجل تجھے اس سے بہتر عنایت فرمائے گا۔"[1]

---

[1] مسند احمد (۳۶۳/۵) بیہقی (۳۳۵/۵) حدیث صحیح ہے۔

تنگ دستوں سے حسن سلوک کا صلہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک آدمی جو دنیا میں لوگوں سے معاملہ کرتا تھا' یعنی وسیع کاروبار تھا' اس نے اپنے ملازم سے کہہ رکھا تھا کہ "اگر کوئی تنگدست کا آنا ہوا تو اس سے درگزر کرنا' ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائیں۔"

آپ نے فرمایا: "جب اس کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا (یعنی بخش دیا)۔ [1]

ایک روایت میں یوں ہے کہ سیدنا ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"فرشتوں نے تم سے پہلے وقتوں کے ایک آدمی کی روح قبض کی اور اس سے دریافت کیا' کیا تو نے کبھی کوئی نیکی کی ہے' اس نے کہا: "نہیں۔"

انہوں نے کہا پھر بھی یاد کر لے شاید کوئی ہو' اس نے کہا "نہیں۔ ہاں! البتہ اتنا ہے کہ میں لوگوں سے کاروبار کیا کرتا تھا' میں نے اپنے ملازموں سے یہ کہہ رکھا تھا' کہ: کشادہ دست کو بھی مہلت دے دو اور تنگ دست جو ہے اسے تو ویسے ہی چھوڑ دو۔" یہ ایک نیکی کی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے صلہ میں اسے معاف کر دیا۔ [2]

---

[1] بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء: باب ۵۴ (ح ۳۴۸۰)

[2] بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء: باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (ح ۳۴۵۱) مسلم۔ کتاب المساقاۃ: باب فضل انظار المعسر (ح ۱۵۶۰' ۱۵۶۱)

طاقت کے باوجود' زنا چھوڑنے کا انعام

یوسف بن یعقوب علیہ السلام کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے ایک کامل سورت میں بیان فرمایا ہے' جس میں بے شمار فوائد اور عبرتیں ہیں' جو ہزار کی تعداد سے بھی تجاوز کر جاتی ہیں۔

یہ کریم نبی علیہ الصلاۃ والسلام بہت بڑی ابتلاء و آزمائش سے دوچار ہوئے ہیں۔ لیکن صبر کا دامن ان کے ہاتھ سے نہیں چھوٹنے پایا۔ باکردار صلحاء کا یہی شیوہ رہا ہے جس کی وجہ سے ان کی آزمائش پاکدامنی کی زیبائش میں اور محنت و جانفشانی علیہء ربانی میں تبدیل ہو گئی۔ یہ واقعہ بھی سننے کے قابل ہے' ذرا سنیں:

یوسف علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام راحیل تھا۔ یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور بھی تھے۔ آپ کے والد محترم ان سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ جس کی بناء پر آپ کے بھائیوں کے سینوں میں حسد کے انگارے لوٹنے شروع ہوئے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ "ہم ایک طاقتور جماعت اور جتھہ ہیں مگر باپ کے دل میں ہمارے لیے وہ جذبات محبت انگڑائی نہیں لیتے جو یوسف اور ان کے بھائی بنیامین کے لیے ہیں۔ اب ان کے لیے ایک ہی چارۂ کار تھا۔ وہ یہ کہ انہوں نے اپنے والد محترم سے التماس کی کہ ہمارے بھائی یوسف کو ہمارے ساتھ بھیجیں۔ انہوں نے اظہار تمنا یوں کیا کہ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ یہ سیر و سیاحت کر آئے' اور انہوں نے نہاں خانۂ دل میں کیا چھپا رکھا تھا' اسے اللہ تعالیٰ ہی جانتے تھے دوسرا کوئی نہیں جانتا تھا۔

لہٰذا وہاں سے لے گئے' قریب ہی ایک کنواں تھا' سیدنا یوسفؑ کو پکڑا اور ان کو اس کنوئیں میں پھینک دیا' پھر ایک قافلہ کا وہاں سے گزر ہوا' انہیں پانی کی ضرورت تھی' جب انہوں نے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام اس کے ساتھ لٹک گئے۔

قافلہ والے مصر کی جانب جا رہے تھے وہ انہیں ساتھ لے گئے اور عزیز مصر کے ہاں انہیں فروخت کر دیا' اس نے چند درہموں کے عوض انہیں خرید لیا۔[1]

ایمان افروز واقعہ کا ظہار اس کے بعد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَیْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ۔ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴾ (یوسف: ۱۲/ ۲۳۔ ۲۴)

"اس عورت (زلیخا) نے جس کے گھر میں یوسف رہتا تھا' یوسف کو بہلانا پھسلانا شروع کیا' کہ وہ اپنے نفس کی نگرانی چھوڑ دے' اور سب (سات) دروازے بند کر کے کہنے لگی: "لو آ جاؤ۔" یوسف نے کہا: (اس برے کام سے) "اللہ کی پناہ" عزیز مصر میرا سردار ہے' مجھے اس نے بہت اچھی طرح عزت سے رکھا ہے۔ بے انصافی کرنے والوں کا بھلا نہیں ہوتا" اس عورت نے یوسف کی طرف کا قصد کیا اور یوسف بھی ایسا قصد کر لیتا[2] اگر وہ اپنے پروردگار کی دلیل و برہان نہ دیکھتا' (ہم نے یوسف کے دل کو مضبوط کیا) یونہی ہوا اس واسطے کہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی دور کر دیں۔ بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا (یعنی پیغمبروں میں سے)۔"

---

[1] مزید تفصیل تفاسیر میں دیکھ لیں خصوصاً ابن کثیر میں۔

[2] اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ عورت نے زنا کا عزم کیا مگر یوسف علیہ السلام نے انکار کیا چنانچہ اسی کشمکش میں وہ دونوں دروازے کی طرف بھاگے آگے آگے یوسف علیہ السلام تھے اور پیچھے عزیز مصر کی بیوی تھی۔ یوسف اس لیے بھاگ رہے تھے کہ جلدی سے دروازہ کھول کر بھاگ جائیں تاکہ اپنے دامن کو اس فاحشہ کی دست برد سے بچا سکیں اور عزیز مصر کی بیوی اس لیے بھاگ رہی تھی کہ انہیں دروازہ کھول کر بھاگنے نہ دوں۔

عزیز مصر کی بیگم نے' سیدنا یوسف علیہ السلام کو جو چکمہ دیا تھا اور ایک نہایت ہی نالائق کام جو ان کے مقام و مرتبہ کے خلاف تھا' کا ان سے مطالبہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کا ذکر کیا ہے۔

ایمان افروز پہلو یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیگم' حسن و جمال کا پیکر اور منصب و شباب کا مرقع ہے۔ خود کو اور یوسف علیہ السلام کو بند کر کے دروازوں کو مقفل کر دیتی ہے' بناوٹ و سجاوٹ کے تمام روپ دھار کر سولہ سنگھار کر کے حسین جوڑے اور فاخرانہ لباس زیب تن کئے ہوئے پرستان کی شہزادی دکھائی دے رہی ہے اور پھر اس سے فزوں تر یہ کہ عزیز مصر کی بیگم تھی کہ جس کی دید کو دنیا والے ترستے تھے۔

اور دوسری جانب۔ یوسف علیہ السلام' ایک جوان رعنا' جس کے جمال و تازہ روئی کی رعنائیوں اور دلربائیوں کے سامنے کائنات بے بس ہو چکی تھی۔ اور کہا جاتا ہے کہ: جوانی مستانی ہوتی ہے۔ اور پھر ہیں بھی غیر شادی شدہ' ایسے ذرائع بھی موجود نہیں جو ناجائز شہوت رانی کا عوض بن سکیں' ایک غریب الوطن نوجوان ہے کیونکہ اپنے دیس میں تو یہ عار اور شرمندگی ہو سکتی ہے کہ اپنے گھر والوں کی دوست احباب کی نظروں سے گر نہ جاؤں' یہاں تو بے خانماں ہونے کی وجہ سے یہ رکاوٹ بھی نہ تھی۔

اور یہ ملکۂ حسن خود مطالبہ کر رہی ہے جس کی وجہ سے اس سے آدمی کی خوف و طلب کی کلفت و مشقت' جو اس دعوتِ ہیجان انگیز کو قبول نہ کرنے پر آمادہ کر سکتی ہے' وہ بھی دور ہو جاتی ہے۔ یعنی اس بے تکلفانہ اندازِ گفتگو نے اجنبیت کے تمام سکوت توڑ دیئے تھے اور پھر وہ اپنے گھر میں تھی جس کی وہ ملکہ تھی' وہاں ہر پیش آنے والے معاملہ سے باخبر تھی' اور وہ ایسے مقام پر تھی جہاں تک کسی رقیب کی نگاہوں کو دسترس نہ تھی۔ اس سب کچھ کے باوجود جناب یوسف علیہ السلام نے اپنے دامن پاکباز کی چادر پہ حرام کاری کا دھبہ تک نہیں لگنے دیا۔ رب کبریاء نے انہیں بے حیائی

کی تعفن بھری آلودگی سے محفوظ رکھا۔

یوسف علیہ السلام انبیائے کرام کی سنہری لڑی کے آبدار موتی تھے۔ آپ کو مولا کریم نے عورتوں کے مکرو فریب کے بنے ہوئے جال میں پھنسنے سے بچالیا۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک ہی جست سے
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

برائی سے بچنے کا صلہ و پھل

اس کا صلہ آپ کو یہ ملا کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سرزمین مصر میں تمکنت و سطوت عطا فرمائی کہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں رہیں اور انہیں ملک مصر کی تاجوری و بادشاہی عطا فرمائی۔

اے مسلمان ذرا ہوش تو کر!

یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جب کارِ حرام کو ترک کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سے بہتر مقام و انعام دیا۔

یہی وجہ ہے کہ آپ تقویٰ اور نجابت و شرافت کے سات سادات کے بھی سرخیل ہیں۔ بخاری و مسلم میں جن کے بارے میں، رب ارض و سماء کے نبی خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

((سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهُ اِمَامٌ عَادِلٌ، وَ رَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ وَ رَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُوْدَ اِلَيْهِ وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَيْهِ وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِيْنُهُ، وَ شَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَ رَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّ جَمَالٍ فَقَالَ اِنِّيْ اَخَافُ اللّٰهَ)) [1]

---

[1] بخاری۔ کتاب الاذان: باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ ح ٦٦٠۔ مسلم۔ کتاب الزکوٰۃ باب فضل اخفاء الصدقۃ ح ١٠٣١۔

"سات خوش نصیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے خصوصی سائے میں محو استراحت ہوں گے جس دن کوئی سایہ نہ ہو گا صرف وہی سایہ ہو گا۔

① عدل پرور امیر۔

② وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کی آنکھیں آبدیدہ ہو جاتی ہیں۔

③ وہ آدمی جس کا دل مسجد سے ہی وابستہ ہو جاتا ہے۔ باہر جانے کے بعد واپس لوٹنے تک یہی کیفیت رہتی ہے۔

④ وہ دو آدمی جو آپس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر محبت کرتے ہیں۔ اسی پر اکٹھے ہوتے ہیں اسی کیفیت پر جدا ہوتے ہیں۔

⑤ ایک وہ آدمی جو صدقہ اس قدر پوشیدہ کرتا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ دائیں ہاتھ کے خرچ کرنے سے واقف نہیں ہوتا۔

⑥ اور ایک وہ جوانِ باصفا جو عبادت الٰہی میں پروان چڑھتا ہے۔

⑦ وہ آدمی' جسے منصب و جمال والی عورت دعوت گناہ دیتی ہے۔ وہ کہتا ہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں یہ کام ہرگز نہ کروں گا۔

اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے آفتاب ٹھہر گیا

جب موسیٰ علیہ السلام اس دار فانی سے کوچ فرما گئے تو یوشع بن نون علیہ السلام (جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے نبی تھے) میدان تیہ سے بنی اسرائیل کو لے کر روانہ ہوئے اور انہوں نے نہر اُردن عبور کر لی' اور اریحا مقام تک پہنچ گئے۔ یہ شہر مضبوط فصیلوں میں گھرا ہوا تھا۔ اس میں بلند و بالا محلات تھے اور وہاں کے رہائشی بہت کثرت میں تھے۔ یوشع بن نون علیہ السلام نے چھ ماہ تک اس کا محاصرہ جاری رکھا۔ ایک دن اسے گھیرے میں لے لیا اور لوگوں میں اجتماعیت و جوش پیدا کرنے کے لیے نرسنگا بجایا' اور بہ یک آواز ہو کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اس سیل جوش زن کے سامنے کوئی دیوار حائل نہ ہو سکی۔ اس کی فصیل میں دراڑ پڑ گئی اور ایک ہی دھماکہ سے زمین بوس ہو گئی۔ وہ اس میں داخل ہو گئے اور جو کچھ وہاں موجود تھا اسے بطور غنیمت سمیٹ لیا اور بارہ ہزار مرد و زن کو قتل کر دیا۔ انہوں نے بہت سے فرمانرواؤں سے معرکہ' حرب و ضرب بپا کیے رکھا۔ شام کے علاقہ کے گیارہ ملکوں پر تسلط جما لیا۔ اس کا محاصرہ بروز جمعۃ المبارکہ عصر کے بعد تک جاری رہا۔ جب آفتاب غروب ہونے کے قریب ہوا' اور ہفتہ کا دن نمودار ہی ہونے والا تھا جو کہ اس زمانہ میں بنی اسرائیل کی عبادت و شریعت کا دن تھا' تو یوشع بن نون علیہ السلام نے کہا:

اے آفتاب! تو بھی حکم الٰہی کا پابند ہے اور میں بھی اسی کے حکم سے آیا ہوں۔

اور کہا:

((اَللّٰھُمَّ احْبِسْھَا))

"اے میرے اللہ! اسے روک دے۔" (تاکہ ہم جہاد جاری رکھ سکیں)

تو اللہ تعالیٰ نے اس کی روانی روک دی' یہاں تک کہ وہ شہر فتح ہو گیا اور چاند

کو حکم دیا وہ طلوع ہونے سے موقوف ہو گیا۔[1]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحْبَسْ لِبَشَرٍ اِلاَّ لِیُوْشَعَ لَیَالِیَ سَارَ اِلٰی بَیْتِ الْمَقْدِسِ))[2]

"آفتاب آج تک کسی بشر کے لیے رفتار میں موقوف نہیں ہوا' سوائے یوشع بن نون علیہ السلام۔ یہ ان راتوں کی بات ہے جب وہ بیت المقدس کی جانب (بغرض جہاد) گئے تھے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انبیائے کرام میں سے ایک نبی نے غزوہ کا اعلان فرمایا اور اپنی قوم سے کہا جو آدمی شادی کے تمام اسباب رکھتا ہے اور وہ اپنی بیوی کی رخصتی کا ارادہ رکھتا ہے وہ میرے ساتھ نہ جائے اور نہ ہی وہ میرے ساتھ روانہ ہو۔ جو عمارت تیار کر رہا ہے اور ابھی تک اس نے چھت نہیں ڈالی' اور نہ ہی وہ میرے ساتھ روانہ ہو' جس کی بکریاں یا اونٹنیاں بچہ جننے کے قریب ہیں اور وہ ان کی ولادت کا منتظر ہے۔

پس اللہ کے نبی نے معرکہ آرائی کی تیاری کی اور جب بستی کے نزدیک پہنچے تو نماز عصر پڑھی گئی تھی یا قریب تھی' تو نبی علیہ السلام نے آفتاب سے کہا:

((اَنْتِ مَامُوْرَۃٌ وَ اَنَا مَامُوْرٌ اَللّٰھُمَّ احْبِسْھَا عَلَیَّ شَیْئًا فَحُبِسَتْ عَلَیْهِ حَتّٰی فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْهِ فَجَمَعُوْا مَا غَنِمُوْا فَاَتَتِ النَّارُ لِتَاْکُلَهٗ فَاَبَتْ اَنْ تُطْعِمَهٗ فَقَالَ فِیْکُمْ غُلُوْلٌ))

اے سورج! تو بھی پابند ہے میں بھی پابند ہوں۔ اے میرے اللہ! اس کو میرے اوپر روک دے' تو یہ آفتاب رک گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فتح سے ہمکنار فرمایا۔ انہوں نے مال غنیمت سمیٹا تاکہ آگ آئے اور اسے

---

[1] البدایة والنہایة (۱/۳۲۳' ۳۲۴)

[2] مسند احمد (۲/۳۲۵) احمد یہ بسند بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔

کھائے مگر آگ نے کھانے سے انکار کر دیا۔ نبی علیہ السلام نے کہا:

لوگو! تمہارے درمیان خیانت کا ارتکاب ہوا ہے۔ ہر قبیلہ کا آدمی میری بیعت کرے' انہوں نے بیعت کی تو ایک آدمی کا ہاتھ نبی علیہ السلام کے ہاتھ میں چپک کر رہ گیا' پھر نبی علیہ السلام نے فرمایا "تم نے خیانت کی ہے (اور خیانت کی ہوئی چیز) اب بھی تم میں موجود ہے۔" اس آدمی کا سارا قبیلہ میری بیعت کرے' تو قبیلہ نے بیعت کی دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے'

نبی علیہ السلام نے کہا: "ابھی خیانت ہے' تم نے خیانت کی ہے۔"

تو انہوں نے گائے کے سر جتنا سونا پیش کر دیا جو خیانت کیا تھا' تب انہوں نے اس کو مال غنیمت میں رکھا جو کہ میدان میں پڑا تھا' تو آگ آئی اسے کھا گئی۔ اس وقت آگ آکر جلا دیتی تھی مال غنیمت تقسیم نہیں ہوتا تھا۔

((فَلَمْ تَحِلِّ الْغَنَائِمُ لِاَحَدٍ مِنْ قَبْلِنَا ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ رَاٰى ضُعْفَنَا وَ عَجْزَنَا فَطَيَّبَهَا لَنَا)) [1]

"ہم سے پہلے مال غنیمت حلال نہ تھا یہ ہماری کمزوری و بے بسی کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے حلال قرار دیا ہے۔"

جب بنی اسرائیل نے بیت المقدس پر کامل دستگاہ حاصل کر لی اس میں وہ رہے۔ اور ان کے درمیان اللہ کے نبی یوشع بن نون علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات کے ذریعہ ان کے فیصلہ جات نبٹاتے تھے' یہاں تک کہ انہوں نے ایک سو ستائیس (۱۲۷) سال میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ ان کی مدت حیات موسیٰ علیہ السلام کی وفات حسرت آیات کے بعد ستائیس سال بنتی ہے۔

---

[1] بخاری۔ کتاب فرض الخمس : باب قول النبی صلی اللہ علیہ و سلم احل لکم الغنائم (ح ۳۱۲۴) مسلم۔ کتاب الجهاد : باب تحلیل الغنائم لهذه الامة خاصة (ح ۱۷۴۷)

تقویٰ کا انعام' شیروں کو تابع کر دیا

بخت نصر[1] ایک بادشاہ تھا۔ اس نے شام کی طرف سے بیت المقدس میں قدم رکھا۔ آتے ہی بنی اسرائیل کو قتل کرنا شروع کر دیا' اور بیت المقدس کا شہر زبردستی چھین لیا۔ اور بنی اسرائیل کے بچوں کو قید کر لیا' ان قیدیوں میں دانیال علیہ السلام بھی تھے۔[2] بخت نصر بادشاہ کو نجومیوں اور اہل علم نے یہ بتا دیا تھا کہ فلاں رات ایک لڑکا' یعور' نامی پیدا ہو گا جو تیری سلطنت میں فساد پیدا کرے گا۔

بخت نصر نے کہا کہ اس رات جو بچہ بھی پیدا ہو گا میں اسے قتل کروا دوں گا۔ دانیال کو پکڑ کر (جو معصوم قیدیوں میں سے تھا) شیر کی کچھار میں ڈال دیا کہ وہ اسے چیر پھاڑ ڈالے گا لیکن معاملہ اس کے برعکس ہوا کہ شیر اور شیرنی دونوں دانیال کو پیار سے چاٹتے رہے' اسے ذرہ برابر نقصان نہ پہنچایا۔ دانیال کی والدہ آئیں دیکھا کہ شیر اور شیرنی اس سے پیار کر رہے ہیں' تو اس نے اپنا بچہ اٹھا لیا' اس طرح اللہ تعالیٰ نے

---

[1] اسے بنو خذ نصر بھی کہتے ہیں۔ ۵۶۱ تا ۶۰۴ قبل عیسوی میں پیدا ہوا ہے۔ یہ بابل کا بادشاہ تھا۔ اہل مصر کو تاخت و تاراج کرتا ہوا' یروشلم (بیت المقدس) تک پہنچا' اسے جلا کر خاکستر بنا دیا اور یہودا کے باسیوں کو بابل کی جانب جلا وطن کر دیا۔ (المنجد)

[2] دانیال نبی ہیں۔ عہد قدیم کے سفروں میں صاحب سفر ہیں۔ عہد قدیم والے نے تو ان کی نبوت کا انکار کیا ہے' دوسری جانب مسیح علیہ السلام کے مقلدین نے ان کو چار کبار انبیائے کرام میں شمار کیا ہے' -المنجد) البدایہ والنہایہ ج ۲ ص ۳۶ تا ۳۸ ...... صحابہ کرام نے ان کی قبر کو اس وقت معلوم کیا تھا جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ان علاقوں کو فتح کیا تھا۔ بعد ازاں مختلف قبریں کھود کر ان کی میت کو دوبارہ کسی ایک قبر میں چھپا دیا گیا تاکہ مشرکوں کی غلط اظہار عقیدت کا مرکز نہ بن جائے۔

دانیال کو بچا لیا۔

ابن ابی دنیا نے حسن سند سے بیان کیا ہے کہ اس بستی کے واقفان حال نے کہا ہے کہ دانیال نے اپنی انگوٹھی کے نگینہ میں اپنی تصویر بنا رکھی تھی اور چاٹنے والے شیر اور شیرنی کا انداز محبت بھی اس میں نقش کر لیا تھا کہ بچپن میں اللہ تعالیٰ نے جو انعام کیا تھا اسے بھول نہ جاؤں۔[1]

ایک روایت میں ہے (کہ یہ بڑی عمر کا واقعہ ہے) موسیٰ علیہ السلام سے طویل مدت کے بعد بنی اسرائیل کے ایک نبی تھے' جن کا نام دانیال تھا' ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی' بادشاہ نے ان کو گرفتار کر لیا اور ایک کنوئیں میں بھوکے شیر کے سامنے ان کو پھینک دیا' جب اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر ان کے حسن توکل کی آزمائش کر لی اور پرکھ لیا کہ یہ میرے پاس جو ہے اسی پر صبر و قناعت کئے ہوئے ہیں۔ تو شیروں کا منہ موڑ دیا اور دانیال ان کی کمر پہ سوار ہو گئے' مگر وہ شیر تابع ہیں ایک ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ارمیا[2] نبی کو شام سے بھیجا۔ تاکہ دانیال کو اس مصیبت سے رہائی دلائیں' اور جو انہیں ہلاک کرنا چاہتا ہے یہ اسے تباہ کر دیں۔

سیدنا عبداللہ بن ابی ہذیل کہتے ہیں:

بخت نصر نے دو شیر بھوکے رکھے' پھر انہیں ایک کنوئیں میں ڈالا' اور پھر دانیال کو لایا' انہیں ان کے پاس پھینک دیا' اللہ کی قدرت وہ دونوں شیر ذرہ برابر ہیجان میں نہیں آئے حالانکہ بھوکا ہونے کی وجہ سے انہیں غیظ و غضب کا مظاہرہ کرتے ہوئے

---

[1] البدایة والنہایة (۴۱/۲۔ ۴۲) بحوالہ ابن ابی الدنیا و قال ابن کثیر اسنادہ حسن۔

[2] ارمیا بنی اسرائیل کے چار بڑے انبیاء میں سے ایک ہیں' انہوں نے یہودا کی مملکت کے خاتمے سے پہلے نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس وقت کے بادشاہوں کی ستم رانیوں کو برداشت کرتے رہے تھے۔ (حوالہ مذکور)

ان کی بوٹی بوٹی نوچ لینی چاہیئے تھی۔ مگر جتنی دیر اللہ تعالیٰ کی مرضی تھی دانیال وہاں ٹھہرے' پھر انسانوں کی طرح انہیں کھانے پینے کی اشتہاء ہوئی تو اللہ نے ارمیاء نبی کو وحی کی حالانکہ وہ وہاں سے بہت دور شام کے علاقہ میں تھے' کہ دانیال کے لیے کھانا' پینا تیار کرو۔ ارمیاء عرض کناں ہوئے: "میرے پروردگار! میں شام کی سرزمین مقدس میں ہوں' دانیال سرزمین بابل میں ہیں' جو کہ عراق میں ہے' وہاں رسائی کیسے ہو؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جو کچھ کہا ہے اسے تیار کریں' سواری کا بندوبست ہم خود کریں گے' جو تجھے اور تیار کھانے کو اٹھا لے جائے گی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی سواری کا انتظام کر دیا۔ اب وہ کنوئیں کے کنارے کہ جہاں اللہ کے نبی قید تھے' پہنچتے ہیں۔ کنارے پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور پکارتے ہیں اور مندرجہ ذیل مکالمہ ہوتا ہے:

دانیال: کون ہو؟

ارمیا: میں ارمیا نبی ہوں۔

دانیال: کس لیے تشریف لائے؟

ارمیا: مجھے رب کائنات نے آپ کے لیے بھیجا ہے۔

دانیال: کیا رب ذوالجلال نے میرا ذکر کیا ہے؟

ارمیا: ہاں

(یہ سن کر) دانیال اس طرح اللہ تعالیٰ کی تعریفات کے نغمات بلند کرنے لگے۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یَنْسٰی مَنْ ذَکَرَهٗ

"تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لیے جو اسے نہیں بھولتا جو اس کو یاد کرتا ہے۔

وَالْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ لَا یُخَیِّبُ مَنْ رَجَاهُ

"تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لیے کہ جو اس کے ساتھ امیدیں وابستہ کرتا ہے وہ اسے نامراد نہیں کرتا۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ مَنْ تَوَکَّلَ عَلَیْہِ کَفَاہُ

"تمام تعریفات اس ذات بے ہمتا کے لیے کہ جو اس پر توکل کرتا ہے تو وہ اسے کفایت کرتا ہے۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ مَنْ وَثِقَ بِہٖ لَمْ یَکِلْہُ اِلٰی غَیْرِہٖ

"تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لیے کہ جو اس پر اعتماد کرتا ہے تو وہ اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاتے ہوئے غیر کی جانب نہیں سونپتا۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ یَجْزِیْ بِالْاِحْسَانِ اِحْسَانًا وَ بِا السَّیِّاٰتِ غُفْرَانًا

تمام تعریفیں اس اللہ کریم کے لیے جو احسان کا بدلہ احسان دیتا ہے' اور برائی کے عوض مغفرت کا عطیہ دیتا ہے۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ یَجْزِیْ بِالصَّبْرِ نَجَاۃً

"تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لیے جو صبر کے عوض نجات دیتا ہے۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ یَکْشِفُ ضُرَّنَا بَعْدَ کَرْبِنَا

"تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لیے جو ہماری پریشانی کے بعد ہماری تکلیف دور کرتا ہے۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ ثِقَتُنَا حِیْنَ تَسُوْءُ ظُنُوْنُنَا بِاَعْمَالِنَا

"تمام تعریفات اس اللہ کریم کے لیے جو ہمارا اس وقت سہارا ہے کہ جب ہمارے بد اعمال کے ساتھ ہماری بد گمانیاں بڑھ جاتی ہیں۔

وَالْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ ھُوَ رِجَاءُ نَا حِیْنَ تَنْقَطِعُ الْحِیَلُ مِنَّا

"اور تمام تعریفات اس اللہ کے لیے جو ہماری آرزوؤں کا مرکز ہے اس وقت کہ جب ہماری حیلہ سازیوں کے تمام اسباب ختم ہو جاتے ہیں۔"[1]

---

[1] البدایة والنهایة (۱۴۰/۲)

بہتر انجام کار صبر و استقامت ہی کا ہے

مسلمان انسان اس حیاتِ مستعار میں ابتلاء و آزمائش' اور امتحان کی آماجگاہ بنتا رہتا ہے۔ مسلمان پر لازم ہے کہ جب گردش دوراں کی زد میں آئے تو صبر کرے' اور اس مصیبت کو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے حصول ثواب کا ذریعہ تصور کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز ذخیرہ ہو جائے وہ ضائع نہیں ہوتی' بلکہ جو وہ لیتا ہے اس سے بہتر اس کا نائب عطا کرتا ہے۔ لیجئے وہ قصہ سماعت فرمائیں جس کو امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔[1]

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہتی ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

"کوئی بھی مسلمان جو مصیبت سے دوچار ہو اور وہ کہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ:

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

"بے شک ہم اللہ کے لیے ہی ہیں اور بے شک ہم اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔"

اور کہے:

((اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِيْبَتِیْ وَ اخْلُفْ لِیْ خَيْرًا مِّنْهَا))

"اے میرے اللہ! میری مصیبت میرے لیے باعث اجر بنا دے اور میرا نائب اس سے بہتر بنا دے۔

مگر اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر نائب عطا کرتے ہیں:

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جب ابو سلمہ رضی اللہ عنہا فوت ہو گئے تو میں نے کہا۔ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ سے بہتر مسلمانوں میں سے کون میسر آئے گا!! یہ ان ابتدائی لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہجرت کی' تاہم میں یہ دعا دہراتی رہی تو اللہ تعالیٰ نے میرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی بے مثال ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کے بعد نصیب کر دی۔[1]

اے مرد مسلمان ذرا غور فرما!

جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ترک کی تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے بہتر عطا کرتے ہیں۔ جو شخص معیبت کے وقت رخسار پیٹنا گریبان چاک کرنا' اور نوحہ وغیرہ جیسی منکرات ترک کر کے' معیبت کو اللہ کے نزدیک ذخیرۂ ثواب سمجھ کر انا للہ و انا الیہ راجعون کے کلمات زبان پہ لائے گا' اللہ پاک اسے اس کا بہترین نعم البدل عطا کرے گا' وہ بہترین وارث بنانے والا ہے۔

---

[1] مسلم۔ کتاب الجنائز : باب ما یقال عند المصیبة (ح ۹۱۸)

جادوگری چھوڑی تمغۂ شہادت مل گیا

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تم سے پہلے زمانے میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا مقرب خاص ایک جادوگر تھا۔ جب جادوگر عمر رسیدہ ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا: "میں عمر رسیدہ ہو چکا ہوں اور وقت مقررہ سر پہ کھڑا ہے' مجھے ایک لڑکا میسر کر دو کہ میں اسے جادو کے عمل کے داؤ پیچ سکھا دوں۔" بادشاہ نے اسے ایک لڑکا مہیا کر دیا جسے وہ جادو کی تعلیم دینے لگا۔
بادشاہ اور جادوگر کے راستے میں ایک راھب کا ٹھکانا تھا۔ ایک دن وہ لڑکا راھب کے پاس آیا' اس کی گفتگو سنی' اس لڑکے کو اس کی جہت اور گفتگو پسند آئی۔ مگر لڑکا ایک پریشانی کا شکار ہو گیا کہ جب وہ جادوگر کے پاس حاضر ہوتا تو وہ اسے سزا دیتا کہ دیر سے کیوں آیا ہے' کیا رکاوٹ تھی؟ اور جب وہ اپنے گھر جاتا تو وہاں بھی سرزنش ہوتی کہ کیا رکاوٹ ہے جو اتنی دیر کر دی۔ اس الجھن کو لڑکے نے راھب کے سامنے بیان کیا۔ راھب نے مشورہ دیا کہ "جب جادوگر تجھے سزا دینے لگے تو کہنا مجھے گھر دیر ہو گئی تھی اور اگر گھر والے ماریں تو کہنا میں جادوگر کے ہاں سے دیر سے آیا ہوں۔"
لڑکا اپنے معمول کے مطابق آتا جاتا تھا ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ اس کا گزر ایک بہت بڑے خوفناک جانور کے پاس سے ہوا۔ وہ اس قدر عظیم الجثہ تھا کہ اس نے لوگوں کی گزرگاہ کو روک رکھا تھا' یوں ان کا گزرنا محال تھا۔ اس لڑکے نے دل ہی دل میں کہا کہ آج پتہ چلے گا کہ جادوگر کا ہنر اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہے یا راھب کا دین۔ یعنی دونوں میں سے اللہ کس کو پسند کرتا ہے۔ یہ سوچ کر اس نے ایک پتھر ہاتھ میں لیا اور کہا:
"اے میرے اللہ! اگر راھب کا دین تجھے ساحر کے کام سے زیادہ محبوب اور

پسندیدہ ہے تو اس جانور کو جو میں پتھر مارنے لگا ہوں اس کے ساتھ تباہ کر دے' تاکہ لوگ آمد و رفت کر سکیں۔"

پھر اس نے اس جانور کو پتھر مارا نتیجہ کیا نکلا؟...... وہ خوفناک و خطرناک جانور پتھر لگتے ہی ہلاک ہو گیا۔ لڑکا اب وہاں سے چل دیا۔ اور جا کر راھب کو اس کی اطلاع دی۔ راھب نے کہا: "اے میرے پیارے بیٹے! تو نے تو مجھ سے بھی بہتر کام کر دکھایا' اب تیرا دور ابتلاء شروع ہونے والا ہے۔ اگر آزمائش کی زد میں آئے تو میرے متعلق نہ بتانا۔"

لڑکے کے ہاتھوں میں اللہ تعالیٰ نے دین کی برکت سے پیدائشی نابیناؤں کو بینائی' برص والوں کو جلد کی صفائی' اور دیگر بیماریوں سے صحت یابی' رکھ دی۔ بادشاہ کا ایک حاشیہ نشین اندھا ہو چکا تھا' جب اس نے اس لڑکے کا چرچا سنا تو وہ اس کے پاس بے شمار تحائف لے کر حاضر ہوا اور کہا: "اگر تو مجھے شفایاب کر دے گا تو یہ تمام اشیاء تیری ہیں۔" لڑکے نے کہا: "شفاء میں نہیں دیتا' شفا تو صرف اللہ تعالیٰ دیتے ہیں۔"

اگر آپ اس ذات کریم پر ایمان لے آئیں گے تو میں اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا گو ہوں گا۔" وہ وزیر ایمان لے آیا۔ اب لڑکے نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے صحت سے ہمکنار کر دیا۔

پھر وہ بادشاہ کے پاس گیا' اس کے قریب نشست پہ حسب معمول بیٹھ گیا' بادشاہ نے اس سے پوچھا: "بینائی کس نے لوٹائی ہے؟" وزیر کہنے لگا: "میرے رب نے۔" بادشاہ نے کہا: "رب" سے مجھے مراد لے رہا ہے؟" اس نے کہا: "نہیں! اس رب نے جو میرا اور آپ دونوں کا رب ہے۔" اس نے کہا: "میرے علاوہ بھی کوئی تیرا رب ہے؟" اس نے کہا: "ہاں! میرا اور آپ کا رب اللہ تعالیٰ ہے۔"

بادشاہ نے اسے مبتلائے سزا کر دیا' یہاں تک کہ نہ برداشت کی جا سکنے والی اذیتوں کی بنا پر مجبور ہو کر اس نے لڑکے کے متعلق سب کچھ بتا دیا۔ اب اس لڑکے کو لایا گیا' بادشاہ نے نہایت ہی پیار سے کہا:

بادشاہ: اے بیٹے! میری اطلاع کے مطابق آپ کے پاس ایک جادو ہے کہ آپ پیدائشی اندھے کو بینا کرتے ہیں اور دیگر بیماریوں کا علاج بھی کرتے ہیں۔

مؤحد لڑکا: میں کسی کو شفاء نہیں دیتا' شفاء تو من جانب اللہ ہے۔

بادشاہ: اور میں (شفاء نہیں دیتا؟)

مؤحد لڑکا: نہیں!

بادشاہ: میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے؟

مؤحد لڑکا: نہیں میرا اور تیرا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

بادشاہ نے اسے بھی مشق ستم بنایا اور طرح طرح کی وحشت ناک سزائیں دیں۔ حتیٰ کہ اس نے راہب کا پتہ بتا دیا' اب راہب کو لایا گیا۔ اس سے بادشاہ نے کہا: اپنے دین سے مرتد ہو جا' اس نے انکار کر دیا۔ بس اس کے انکار کی دیر تھی کہ اس نے آرا اس راہب کے سر کے درمیان رکھ دیا۔ پھر آرا چلواتا رہا یہاں تک کہ اسے دو لخت کر دیا۔ اور نابینا وزیر سے کہنے لگا:

"تو بھی اپنے دین سے مرتد ہو جا۔" اس نے بھی انکار کیا۔ اس کے بھی سر کے درمیان آرا چلا دیا' اور دو ٹکڑے کر کے گرا دیا۔ پھر لڑکے سے کہا: "تو بھی اپنا دین چھوڑ دے۔" اس نے انکار کر دیا۔ اسے ایک فوجی دستہ کے ساتھ ایک پہاڑ پر بھیجا اور ان کو حکم دیا کہ: "جب تم پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ۔ اگر یہ اپنے دین سے باز آ جائے تو بہتر ہے وگرنہ اسے پہاڑ کی بلندی سے لڑھکا دو۔" وہ اسے لے گئے جب وہ اسے دھکا دے کر گرانے کے لیے اس پر چڑھ گئے تو لڑکا کہنے لگا:

((اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْھِمْ بِمَا شِئْتَ))

"اے میرے اللہ! جس طرح تو چاہتا ہے مجھے ان سے کفایت کر' (یعنی بچا)۔"

پہاڑ پہ زلزلہ بپا ہو گیا سپاہیوں کا جو دستہ ساتھ آیا تھا اس کے سپاہی سب کے سب لڑھک کر گر گئے اور لڑکا منزل کی جستجو کرتا ہوا پھر بادشاہ کے پاس آ گیا۔ بادشاہ نے

کہا: "ساتھی کہاں ہیں؟" کہا: "اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ سے سمیٹ لیا ہے۔"

اس بادشاہ نے ایک اور دستہ ایک کشتی میں بٹھا کر بھیجا اور ان سے کہا "جب تم سمندر کے گہرے پانیوں میں چلے جاؤ تو اگر یہ اپنے دین سے پھر جائے اور توبہ کر لے تو ٹھیک وگرنہ اسے سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں غرقاب کر دینا۔" سپاہی جب اسے گہرے پانیوں میں لے گئے تو لڑکے نے اپنے بے پرواہ مولا سے یوں دعا کی:

"اے میرے اللہ! جس طرح تیری مرضی ہے ان کو مجھ سے سمیٹ لے۔"

وہ سب کے سب غرق ہو گئے۔ اور لڑکا پھر دوبارہ بحفاظت بادشاہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ بادشاہ پوچھتا ہے: "ساتھی کہاں ہیں؟" مؤحد لڑکا جواب دیتا ہے: "ان کو میرے اللہ نے مجھ سے سمیٹ لیا ہے۔"

(بادشاہ جب اس لڑکے کو قتل کرنے سے عاجز آ جاتا ہے تو پریشان ہو جاتا ہے یہ دیکھ کر) لڑکا کہنے لگا: "اے بادشاہ! تو مجھے قتل کرنے پہ اس وقت تک دسترس حاصل نہیں کر سکتا جب تک میرے حکم کی تعمیل نہ کرے۔ اگر تو وہ کرے گا جو میں کہتا ہوں تو تو مجھے قتل کرنے پہ قادر ہو گا وگرنہ تو مجھے قتل کرنے کی (کبھی بھی) استطاعت نہ پائے گا۔" بادشاہ نے کہا: "وہ تجویز کیا ہے؟" نوجوان نے کہا:

"لوگوں کو ایک وسیع میدان میں جمع کر دیں' اور مجھے ایک تنے پہ سولی پر لٹکا دیں' اور میرے ہی ترکش سے ایک تیر لیں' جب تیر چھوڑیں تو کہیں: بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ کہ ہم تیر پھینکنے کا آغاز اس نوجوان کے رب کے نام سے کرتے ہیں۔"

لہٰذا بادشاہ نے اسی پر عمل کیا۔ جب لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر جمع ہو گیا تو بادشاہ نے لڑکے کی ہدایت پر عمل کیا اور تیر چلا دیا۔ تو تیر نوجوان کی کنپٹی میں جا کر پیوست ہو گیا' اور وہ موت کی وادی میں اتر گیا۔

وہاں جمع لوگوں نے ایک شور بپا کر دیا' کہنے لگے:

"ہم اس نوجوان کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ آمَنَّا بِرَبِّ هٰذَا الْغُلَامِ ہم

اس نوجوان کے رب کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔"

بادشاہ تک یہ بات پہنچائی گئی کہ اب بتاؤ کیا کریں' ہمیں جس چیز کا ڈر تھا وہی ہو کر رہی ہے۔ کہ لوگ تو درِ ایمان پہ اُمڈ آئے ہیں یعنی سب اہل مجمع لڑکے کی دعوت پر ایمان لے آئے ہیں۔ بادشاہ نے ایک نیا حکم جاری کیا کہ ہر گلی کی نکر پر گہری کھائیاں اور گڑھے کھود دیں اور ان میں آتش شعلہ بار کے الاؤ تیار کر دیئے جائیں۔ اور حکم دیا کہ جو اپنے اس نئے دین سے دست بردار ہوتا جائے اسے چھوڑ دینا' باقی اہل ایمان کو ان آگ کے گڑھوں میں گرا کر نذر آتش کر دینا۔ اب جب ایمان کی بہار آئی تو حیرتناک منظر یوں تھا کہ لوگ دیدارِ الٰہی کے شوق میں لپک لپک کر اس بناوٹی دوزخ میں چھلانگیں لگا رہے تھے۔ اسی سلسلہ میں ایک عورت بھی رو میں بہتی ہوئی آتی ہے' اپنا معصوم گوشہ جگر دودھ پلانے کے لیے اس نے اپنے سینے سے لگایا ہوا ہے کہ جہاں ماں کی مامتا کے مہر و وفا کا مرکز تھا۔ یہ آگ میں چھلانگ لگانے سے قدم روک لیتی ہے۔ اچانک معصوم بچہ پکار اُٹھتا ہے:

"اِصْبِرِیْ یَا اُمَّاہُ فَاِنَّکَ عَلَی الْحَقِّ"

"اے میری پیاری اماں جان! جگر تھام لو اور بخوشی چھلانگ لگا دو' آپ حق پر ہیں۔"[1]

شاعر نے کیا خوب ترجمانی کی ہے:

صداقت کے بیاں کرنے سے مؤمن رک نہیں سکتا
کٹ سکتا ہے سر خودار کا مگر جھک نہیں سکتا

---

[1] مسند احمد ج ۶ ص ۱۷۔ ۱۸ مسلم۔ کتاب الزھد: باب قصة اصحاب الاخدود و الساحر والراھب والغلام۔ ح ۳۰۰۵ نسائی' حماد بن سلمہ کی حدیث سے بیان کرتے ہیں اور نسائی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ حماد بن زید اور حماد بن سلمہ دونوں نے ثابت سے یہ بیان کیا ہے۔ ترمذی نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہوں نے ثابت سے سند بیان کی ہے۔ ابن اسحاق نے سیرت ابن ہشام (۳۷/۱) میں اس لڑکے کا نام جو حفاظت ایمان کی خاطر تختہ دار پہ جھوم گیا تھا "عبداللہ بن ثامر" بتایا ہے۔

زناکاری سے بچنے کے انعامات' کرامات و عظمت

اللہ تعالیٰ کے خوف سے زنا جیسی فحش حرکت کو چھوڑنے سے اللہ تعالیٰ اس گناہ بد کو چھوڑنے والے کے ہاتھوں ایسے کارنامے سرانجام دلواتے ہیں کہ دنیا ان کے سامنے بے بس ہو جاتی ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

گود کی عمر میں تین معصوموں نے گفتگو کی ہے۔

① عیسیٰ بن مریم علیہ السلام

② آپ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک عبادت گزار آدمی تھا جسے جریج کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اس نے ایک عبادت خانہ تعمیر کر رکھا تھا' اس میں مصروف عبادت رہتا تھا۔ بنی اسرائیل میں اس کی عبادت کے عام چرچے تھے۔ ایک بدقماش عورت نے لوگوں سے کہا کہ اگر تم اجازت دو اور تمہاری خواہش ہو تو میں اس کے تقویٰ وعبادت کی آزمائش نہ کر لوں' انہوں نے اس پر اظہار خوشنودی کیا' اور ناز و نخرے کو یکجا کرتے ہوئے' جریج کے سامنے نمودار ہوئی۔ وہ عورت بکھرے ہوئے مگر جریج نے اس حسن جہاں آرا کی طرف نگاہ تک اٹھا کر نہ دیکھا۔

اس بدقماش عورت نے ایک چرواہے سے 'جو جریج کے عبادت خانہ کے سائے میں اپنی بکریوں کو ٹھہراتا تھا اس نے اس عورت سے بدکاری کی' جس سے وہ حاملہ ہوئی اور ایک بچہ جنم دیا۔ لوگوں نے پوچھا: "یہ بچہ کس کا ہے؟" اس نے کہا: "یہ جریج کا ہے۔" بس یہ سننے کی دیر تھی وہ جریج کے عبادت خانہ کی طرف دوڑے' اسے نیچے اتار لائے' اسے گالی گلوچ کیا' اور مارا پیٹا' اس کے عبادت خانہ کو زمیں بوس کر دیا۔ جریج نے کہا: "معاملہ کیا ہے کیوں ایسا کر رہے ہو؟" انہوں نے کہا: "تو نے اس عورت سے ارتکاب زنا کیا جس کی وجہ سے اسکے ہاں بچے نے جنم لیا ہے۔"

جریج نے کہا: "وہ بچہ کہاں ہے؟" انہوں نے کہا: "یہ ہے۔" جریج اس جگہ سے کھڑا ہوئے اور نماز پڑھی اور دعا کی۔ پھر بچہ کے پاس آئے' انسے انگشت شہادت مارتے ہوئے کہا:

بِاللّٰهِ يَا غُلَامُ مَنْ اَبُوْكَ

اسے بچے! تجھے اللہ کا واسطہ ہے' بتاؤ تمہارا باپ کون ہے۔" بچے نے پکار کر کہا: "میں چرواہے کا بیٹا ہوں۔" بس بچے کا یہ کہنا ہی تھا کہ لوگ جریج کے دست و بازو چومنے کے لئے کود پڑے اور کہا: "ہم آپ کا عبادت خانہ سونے سے تعمیر کر دیتے ہیں۔" انہوں نے کہا: "نہیں مجھے اس کی ضرورت نہیں میری مٹی سے بنی ہوئی کٹیا ہی دوبارہ بنا دو۔"[1]

(۳) جس بچہ نے ماں کی گود میں گفتگو کی وہ یہ ہے۔ کہ

ایک دفعہ ایک عورت اپنا نور چشم گود لئے اسے دودھ پلا رہی تھی کہ قریب سے ایک بڑی عظمت وشان بان والا سوار گزرا۔ ماں کہنے لگی: "اے میرے اللہ! میرے بیٹے کو بھی اس سوار کی مانند رفعت وشان والا بنا دے۔" اس لڑکے نے ماں کا دودھ چھوڑ کر کہا: "اے میرے اللہ! مجھے اس طرح نہ بنانا۔" یہ کہہ کر پھر ماں کا دودھ پینا شروع کر دیا اور اپنی ادائے بے نیازی سے ماں کے پستان کو چوسنا شروع کردیا۔ سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی انگشت مبارک کو اپنے منہ مقدس میں داخل کر کے اسے چوستے ہوئے' بچے کی اس بات کو عملاً بیان فرمایا حالانکہ یہ بہت دیر پہلے کا واقعہ ہے مگر مجھے رسول اللہ ﷺ کا سمجھانے کا وہ دلکش انداز ایسا بھایا گویا کہ اب بھی نظروں کے سامنے گھوم رہا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا:

---

[1] مسند احمد (۳۰۷/۲) بخاری۔ کتاب العمل فی الصلاۃ: باب اذا دعت الام ولدھا فی الصلاۃ۔ ح ۱۲۰۶ اور کتاب المظالم باب اذا ھدم حائطا فلیبین مثلہ۔ ح ۲۴۸۲۔ مسلم (ح ۲۵۵۰)

پھر وہ عورت چل رہی تھی کیا دیکھتی ہے کہ ایک لونڈی کو پیٹا جا رہا ہے۔ اس بچے کی ماں کہنے لگی: "اے میرے اللہ! میرے بیٹے کو ایسا نہ بنانا۔" بیٹا پھر دودھ پینا چھوڑ دیتا ہے۔ اور مضروبہ لونڈی کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے:

اے میرے اللہ! مجھے ایسا ہی بنانا۔" اب ماں بیٹے کی آپس میں گفتگو چل پڑی ماں نے کہا: "بیٹا! میرے قریب سے ایک سوار گزرا جو بڑی ہی آن' بان والا تھا' میں نے کہا میرے اللہ! میرے بیٹے کو ایسا بنانا تو اے بیٹے تو نے کہا ایسا نہ بنانا۔" اور اب میں اس مضروبہ لونڈی کے پاس سے گزری تو میں نے کہا: "میرا بیٹا تُو ایسا نہ ہو' تو نے کہا "میں ایسا ہی بنوں" آخر کیا وجہ ہے؟"

بیٹے نے کہا: "اے پیاری امی جان! وہ سوار جو جاہ جلال والا آپ نے دیکھا تھا وہ بہت بڑا جابر اور ستم ران تھا' اور یہ لونڈی بیچاری' نصیب کی ماری مظلوم ہے۔ لوگ اسے کہتے ہیں: اس نے بدکاری کی۔ حالانکہ یہ اس زنا جیسے فحش کام سے بے خبر ہے۔ اور اسے کہتے ہیں: اس نے چوری کی۔ حالانکہ یہ اس جرم رسواکن سے نہ آشنا ہے۔ اس ظلم وستم کے پہاڑ سہتے ہوئے بھی۔[1] حسبی اللہ۔ مجھے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے جیسی صدائے سکون افزا کے سائے میں پناہ گزیں ہے۔ اس لیے میں نے اس جیسا بننے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔

---

[1] بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ عز و جل و اذکر فی الکتاب مریم۔ ح ۳۴۳۶' ۳۴۶۶ احمد۔ (۳۹۵/۲) یہاں عبارت احمد ہی کی ہے۔ مسلم۔ کتاب البر والصلۃ: باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع' ح ۲۵۵۰۔ نیز ہماری کتاب الاعلام فیما ورد فی بر الوالدین و صلۃ الارحام میں دیکھیں۔

صداقت و امانت داری اختیار کرنے کے انعامات

ایک مسلمان کو امانت کی ادائیگی کا پابند ہونا چاہیئے اور اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے آراستہ و پیراستہ ہونا چاہیئے۔ جو بھی ان صفات کو بروئے کار لائے گا اسے دنیا و آخرت میں اس کی پوری پوری جزا ملے گی۔ اور جو کوئی خیانت اور عہد شکنی جیسی برائیاں' اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ صدق و اخلاص کی بدولت ترک کر دے گا تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ اسے ان گنت بھلائیاں عطا فرمائے گا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ایک آدمی نے دوسرے آدمی سے جائیداد خریدی' جس آدمی نے خریدی تھی اس نے اس جائیداد میں ایک مٹکا پایا جس میں سونا تھا۔ تو جائیداد کا خریدار کہنے لگا:
"یہ سونا لے لیں' میں نے آپ سے فقط زمین خرید کی تھی سونا نہیں خریدا تھا۔"
زمین کا مالک کہنے لگا: "میں نے زمین اور جو کچھ اس میں تھا سب فروخت کر دیا ہے میرا اس سونے سے کوئی تعلق نہیں۔" اس تنازعے کے فیصلہ کے لیے وہ دونوں ایک دانا آدمی کے پاس حاضر ہوئے (وہ داؤد علیہ السلام یا ذوالقرنین تھے) انہوں نے پوچھا: "کیا تم دونوں کی اولاد ہے؟" ان میں سے ایک نے کہا: "میرا لڑکا ہے۔" دوسرے نے کہا: "میری لڑکی ہے۔"
فرمایا: لڑکے کا لڑکی سے نکاح کر دو اور یہ سونا ان پر صرف کر دو' اور اگر باقی بچ جائے تو پھر صدقہ و خیرات کر دو۔[1]

---

[1] نوٹ: جس نے زمین فروخت کی تھی لڑکی اس کی تھی۔ اور نکاح کا اس لیے کہا کہ یہ برکت نسل میں منتقل ہو جائے۔ بہت مناسب حال فیصلہ تھا۔ (انجم گوندلوی)

[1] بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء: باب ۵۴' ح ۳۴۷۲ مسلم کتاب الاقضیة: باب استحباب اصلاح الحاکم بین الخصمین' ح ۱۷۲۱۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا' جس نے بنی اسرائیل ہی کے ایک دوسرے آدمی سے ایک ہزار دینا بطور قرض مانگا تھا۔

اس قرض دینے والے نے کہا: "کوئی گواہ لاؤ کہ ان کی گواہی ڈال لیں۔" قرض لینے والے نے کہا: "میرے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی گواہ ہے۔" پھر اس نے کہا: "کوئی کفیل لاؤ۔" اس نے جواب دیا: "بطور کفیل اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔" اس نے کہا: "یہ تو بہت بڑی صداقت ہے۔"

اور اسے ایک ہزار دینار وقت مقررہ کے لیے تھما دیئے۔

اب وہ ہزار دینار لے کر کام کے لیے بحری سفر پر روانہ ہو گیا' وہاں جب اس نے اپنا کام مکمل کر لیا تو واپسی کے لیے سواری کی تلاش میں آیا کہ وقت مقررہ پر وہ آکر امانت لوٹا سکے' مگر وہاں کوئی سواری نہ تھی کہ جس پر سوار ہو کر وہ قرض دینے والے کے پاس جا سکے۔ یہ صورت حال دیکھ کر اس نے ایک لکڑی لی اور اسے کرید کر اس میں ہزار دینار اور ایک رقعہ لکھ کر رکھ دیا اور اس کا دھانہ کیل لگا کر بند کر دیا اور اس کو ہزار دینار کے مالک کی جانب سمندر میں پھینک کر روانہ کر دیا۔ اور ساتھ ہی سمندر کے کنارے کھڑا ہو کر کہنے لگا: "اے میرے اللہ! تجھے معلوم ہے کہ میں نے فلاں آدمی سے ہزار دینار ادھار لیا تھا' اس نے مجھ سے کفیل کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا "میرے لیے اللہ تعالیٰ ہی کفیل کافی ہے" وہ اسی پر رضا مند ہو گیا۔ اور اس نے مجھ سے گواہ کا مطالبہ کیا تو میں نے کہا "میرے لیے میرا اللہ ہی گواہ کافی ہے" وہ اس سے بھی راضی ہو گیا۔ میں نے پوری تگ و دو کی ہے کہ میں سواری حاصل کر لوں۔ اور اس کے پاس پہنچ کر اس کا دیا ہوا قرض واپس لوٹاؤں' مگر مجھے سواری نہ مل سکی' اب میں یہ امانت تیرے سپرد کرتا ہوں۔" اور پھر اسے سمندروں کی لہروں کے حوالے کر دیا اور وہ لکڑی اس میں گم ہو گئی اور خود واپس چلا گیا۔ تاہم وہ اسی تلاش میں تھا کہ کہیں سے اُسے اپنے شہر کے لیے سواری مل جائے۔

ادھر اتفاق سے وہ آدمی جس نے اُدھار دیا ہوا تھا وہ یہ دیکھنے کے لیے آیا کہ شاید کوئی کشتی میرا مال لانے والے کو لے کر آ رہی ہو۔ وہ کنارے پہ کھڑا تھا کہ ایک لکڑی اسے نظر آئی' اس نے یہ سمجھ کر اٹھا لی کہ اس کا ایندھن ہی جلائیں گے۔ مگر اسی میں اس کا مال تھا۔ جب اسے توڑا تو اس میں اس کا مال (ہزار دینار) موجود تھا اور اس میں ایک رقعہ بھی تھا۔

بعد میں وہ آدمی جس نے قرض لیا تھا اس کے پاس آن پہنچا اور اسے ہزار دینار دینے لگا اور ساتھ ہی اپنی سرگزشت سناتے ہوئے کہنے لگا: "اللہ کی قسم! میں نے سواری کی طلب میں بے حد کوشش کی تاکہ آپ کا مال بروقت آپ تک پہنچاؤں مگر مجھے کوئی سواری میسر نہ آ سکی۔

اس آدمی نے جس نے قرض دیا تھا کہا: "کیا کوئی چیز تُو نے میرے لیے ارسال کی ہے؟"

قرض لینے والے کا خیال تھا وہ پتہ نہیں ہزار دینار کہاں چلا گیا ہے۔ اس نے دوبارہ یہ بات دہرائی کہ میں نے آپ کو پہلے بتا دیا ہے کہ مجھے سواری میسر نہ آئی تھی۔ جس وقت سواری حاصل ہوئی میں آ گیا ہوں۔

قرض دینے والے نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے' جو تُو نے سمندر کے راستے مجھے بھیجا تھا مجھے اس سے سبکدوش کر دیا ہے' وہ ہزار دینار مجھے مل چکا ہے۔ جو لکڑی میں بند کر کے آپ نے بھیجا تھا۔ یہ ہزار دینار واپس لے جائیے اللہ آپ کا بھلا کرے۔[1]

---

[1] بخاری۔ کتاب الکفالة: باب الکفالة فی القرض والدیون بالابدان ح ۲۲۹۱ اور مسند احمد۔ (۳۴۹-۳۴۸/۲)

جھوٹ ترک کر کے سچ بولنے کا انعام

محمد بن ابی طاہر سے منقول ہے کہ بصرہ میں ایک چور تھا جو رات کو چوری کیا کرتا تھا۔ نہایت چالاک چوروں کا سردار تھا۔ اس کو عباس بن الخیاطہ کہا جاتا تھا۔ یہ بڑے امیروں پر غالب آ چکا تھا۔ اس نے اہل شہر کو پریشان کر رکھا تھا۔ سب اس کو پکڑنے کے حیلوں میں لگے ہوئے تھے یہاں تک کہ ہاتھ آ گیا۔ اور ایک سو رطل (سوا من) لوہے کی بیڑیوں میں جکڑ کر قید میں ڈال دیا گیا۔ جب کہ اس کی قید کو ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ زمانہ گزر گیا تو ایلہ میں کچھ لوگوں نے ایک تاجر کو لوٹا جس کے پاس دسوں ہزار دیناروں کے جواہر تھے اور وہ بہت ہوشیار اور تیز فہم تھا۔ تو بصرہ میں فریاد لے کر آیا اور بہت سے تاجر اس کی مدد کے لیے کھڑے ہو گئے اور امیر سے اس نے کہا: "میرے جواہر آپ کی سازش سے گئے ہیں اور میرا دشمن آپ کے سوا اور کوئی نہیں۔ حاکم پر یہ ایک سخت الزام عائد ہوا اس نے جو نگہبانان شہر تھے ان کو سخت پکڑا تو انہوں نے مہلت طلب کی۔ حاکم نے مہلت دے دی ان لوگوں نے بہت چھان بین اور کوشش کی مگر بالکل نہ پتہ چلا سکے کہ کس کی حرکت ہے۔ پھر حاکم نے ان کو سخت پکڑا تو پھر انہوں نے دوبارہ مہلت طلب کی۔

ان میں سے ایک شخص نے قید خانہ میں پہنچ کر ابن الخیاطہ کی خدمت شروع کر دی اور تقریباً ایک ماہ اس کی خدمت میں لگا رہا اور اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتا رہا۔ تو ابن الخیاطہ نے اس سے کہا تیرا حق مجھ پر واجب ہو گیا' مجھے بتا تیری حاجت کیا ہے؟ تو اس نے کہا: "فلاں شخص کے جواہر جو ایلہ میں چوری ہوئے ہیں ضرور آپ کو ان کے بارے میں کچھ خبر ہو گی' یہ سمجھ لیجئے کہ ہماری جانیں اس میں گروی رکھی ہوئیں اور اس کو تمام قصہ سنایا۔ تو اس نے اپنا دامن اٹھا دیا تو وہ جواہر کا ڈبہ اس کے

نیچے تھا' وہ اس نے نگہبان کے سپرد کر دیا اور کہا میں تجھے ہبہ کرتا ہوں تو اس نے اس کو بہت بڑا معاملہ محسوس کیا تو اس ڈبہ کو لے کر امیر کے پاس آیا۔ اس نے اس کا قصہ دریافت کیا تو اس نے سب حال بیان کر دیا۔ تو امیر نے حکم دیا کہ عباس (یعنی ابن الخیاطہ) کو میرے پاس لاؤ اور اس نے حکم دیا کہ اس پر سے تمام سختی اٹھالی جائے اور بیڑیاں کاٹ دی جائیں اور حمام میں داخل کیا جائے اور خلعت پہنائی جائے۔ اور (پھر جب اس کو بادشاہ کے پاس لایا گیا تو اس نے) اس کو اپنے برابر بٹھایا' بہت عزت کے ساتھ اور کھانا منگا کر اپنے ساتھ کھلایا اور رات کو بھی اپنے ہی پاس رکھا۔ اگلے دن اس سے کہا کہ: "میں یہ بات جانتا ہوں کہ اگر تیرے ایک لاکھ کوڑے بھی مارے جائیں تو تو اقرار کرنے والا نہیں۔ (میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ) جواہرات کو کیونکر حاصل کیا گیا اور میں نے تیرے ساتھ حسن اخلاق کا معاملہ اس لیے کیا کہ میرا حق تجھ پر واجب ہو جائے جو جوانمردوں کا طریقہ ہے' میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے بالکل سچی سچی بات بتا دے جو کچھ ان جواہر کا واقعہ ہوا۔ اس نے کہا: "اس شرط پر کہ آپ مجھ کو اور جن لوگوں نے مجھے اس بارہ میں مدد دی ان سب کو امن دے دیں اور جن لوگوں نے اسکو لیا ان سے کوئی باز پرس نہ کریں۔" حاکم نے اقرار کیا تو اس نے حاکم سے حلف لیا۔

اس کے بعد اس سے یہ واقعہ بیان کیا کہ چوروں کی ایک جماعت میرے پاس قید خانہ میں آئی۔ اور انہوں نے ان جواہر کا حال بیان کیا اور یہ کہ اس تاجر کا مکان ایسا ہے جس میں نہ پاڑ لگانا ممکن ہے اور نہ کمند لگا کر چڑھنا اور اس پر لوہے کا دروازہ ہے اور آدمی ہوشیار ہے اور تدبیریں کرتے ہوئے ایک سال گزر گیا۔ مگر ان کا بس نہیں چلا اور انہوں نے مجھ سے سوال کیا اور میں ان کی مدد کے لیے آمادہ ہو گیا تو میں نے داروغہ جیل کو ایک سو دینار دیئے اور بے باکی کے ساتھ اس سے عہد کیا اور مغلظ قسم کھائی کہ اگر اس نے مجھے رہا کر دیا تو میں اگلے دن ضرور اس کے پاس واپس آ جاؤں گا۔ اور اگر اس نے ایسا نہ کیا تو میں قید خانہ میں ہونے کے باوجود اس کو

مبتلائے مصیبت کر کے قتل کر دوں گا تو اس نے مجھے چھوڑ دیا اور میری بیڑیاں بدن سے اتار لیں اور ان کو وہیں چھوڑ دیا اور مغرب کے وقت میں قید خانہ سے نکل گیا اور ہم سب (چوروں کی پارٹی) عشاء کے وقت ایلہ پہنچ گئے اور ہم اس کے مکان کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ تاجر اس وقت مسجد میں تھا اور اس کے مکان کا دروازہ بند تھا۔ میں نے ان میں سے ایک سے کہا کہ دروازہ پر بھیک مانگ۔ جب وہ کواڑ کھولنے کے لیے آئے تو میں نے کہا چھپ جا۔ ایسا کئی مرتبہ کیا لڑکی نکلتی تھی جب اس نے کسی کو نہ دیکھا تو واپس ہو جاتی تھی یہاں تک کہ دروازے سے نکلی اور سائل کو ڈھونڈنے کے لیے چند قدم باہر نکلی' پھر کچھ وقفہ سائل کو صدقہ دینے میں لگا تو میں (اس دوران میں) گھر میں داخل ہو گیا۔ تو میں نے دیکھا کہ دہلیز میں ایک کمرہ ہے جس میں گدھا بندھا ہوا ہے تو میں اس میں جا گھسا اور گدھے کی آڑ میں کھڑا ہو گیا اور گدھے کی جھول کا ایک حصہ اپنے اوپر بھی ڈال لیا۔ اتنے میں وہ تاجر آیا اور اس نے دروازے بند کیے اور دیکھ بھال کر کے اپنے اونچے تخت پر سو گیا۔ اور جواہرات اس کے تخت کے نیچے تھے۔

جب آدھی رات گزر گئی تو گھر میں جو بکری بندھی ہوئی تھی میں اس کے پاس پہنچ اور اس کا کان اینٹھ دیا تو وہ چیخی۔ پھر اس شخص نے لڑکی سے کہا اس کے آگے چارہ ڈال دے وہ ڈال کر سو گئی۔ میں نے پھر اس کا کان اینٹھ دیا تو وہ پھر چلانے لگی تو اس نے لڑکی سے کہا: "کیا ہو گیا تجھے' میں نے تجھ سے اس کی خبر گیری کے لیے کہا تھا۔" اس نے کہا: "میں تو کر چکی۔" اس نے کہا: "تو جھوٹ بولتی ہے۔" اور چارہ ڈالنے کے لیے خود کھڑا ہوا۔ میں (موقعہ ملتے ہی تخت کے نیچے جا پہنچا اور خزانہ کھول کر جواہرات کا ڈبہ نکال لیا اور اپنی جگہ واپس پہنچ گیا اور وہ شخص واپس آ کر سو گیا۔ پھر میں نے کوشش کی کہ کوئی ایسا حیلہ نکل آئے کہ میں کسی ایسے موقع پر نقب لگا سکوں جو پڑوس کے گھر میں نکل آئے اور اس میں سے نکل جاؤں مگر ممکن نہ ہو سکا کیونکہ پورے گھر میں سال کے تختے (دیواروں پر) جڑے ہوئے تھے اور میں نے ارادہ کیا چھت پر چڑھ جانے کا مگر اس پر بھی قادر نہ ہو سکا کیونکہ ہر راستہ پر تین تین

تالے لگے ہوئے تھے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اس شخص کو ذبح کر دوں مگر اس کو دل نے برا سمجھا اور میں نے سوچا کہ یہ تو میرے سامنے ہے ہی اگر اس کے سوا کوئی حیلہ ہی نہ ہو سکا۔ تو جب سحر ہو گئی تو میں واپس ہو کر پھر وہیں گدھے کے پاس پہنچا اور اس شخص نے جاگ کر باہر نکلنے کا ارادہ کیا تو اس نے لڑکی سے کہا کہ دروازوں کے تالے کھول دے اور موسلے لگے رہنے دے۔ اس نے ایسا کر دیا اور میں گدھے کے پاس آیا تو اس نے لات ماری پھر رینگنا شروع کر دیا تو میں باہر نکلا اور میں نے موسلا کھینچ کر کواڑ کھولے اور نکل کر بھاگا یہاں تک کہ گھاٹ پر آ کر کشتی میں پہنچ گیا اور اس تاجر کے مکان میں چیخ پکار مچ گئی۔ پھر میرے ساتھیوں نے مجھ سے مطالبہ کیا کہ میں اس میں سے کچھ ان کو بھی دوں تو میں نے کہا "نہیں یہ واقعہ بہت اہم ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ یہ راز کھل جائے گا۔ ابھی تم اس کو میرے پاس ہی چھوڑے رکھو اگر اس پر تین مہینے گزر گئے اور یہ چھپا رہا تو تم میرے پاس آ جانا میں آدھا تم کو دے دوں گا اور اگر ظاہر ہو گیا اور میں نے تمہاری اور اپنی ذات کو خطرہ میں محسوس کیا تو میں اس کے ذریعہ سے تمہاری جانیں بچا سکوں گا۔" تو سب اس پر راضی ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس نگہبان کو مبتلائے مصیبت کر دیا اس نے میری بہت خدمت کی تو مجھے اس سے شرم آئی اور مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ اور اس کے ساتھی قتل کر دیئے جائیں گے اور میں اپنی جان پر جو عذاب بھی آ پڑے تو اس پر ثابت قدم رہنے کا تہیا کیے ہوئے ہوں مگر آپ نے میرے ساتھ دوسرے طریقہ کا برتاؤ کیا تو جوانمردی کا طریقہ یہی تھا کہ میں بھی سچائی کے سوا اور کوئی طریقہ مستحسن نہ سمجھوں۔ امیر نے کہا: "پھر اس فعل کی جزا یہ ہے کہ ہم تجھے رہائی دیتے ہیں لیکن تو توبہ کر لے تو اس نے توبہ کر لی اور امیر نے اس کو اپنے مصاحبین میں داخل کر لیا اور اس کا وظیفہ مقرر کر دیا تو وہ سیدھے راستہ پر قائم رہا۔[1]

---

[1] لطائف علمیہ ترجمہ کتاب الاذکیاء لابن الجوزی (ص ۲۸۵ تا ۲۸۸)

اللہ تعالیٰ کے ہاں خود سپردگی کرنے والے کو اللہ کافی ہے

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
گزرے ہوئے زمانے کی بات ہے۔ دو میاں بیوی تھے' ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ آدمی سفر سے آیا' سخت بھوکا تھا' بیوی سے کہنے لگا:
"کوئی چیز کھانے کو ہے؟" کچھ بھی نہ تھا ویسے دل بہلاوے کے لیے کہنے لگی "خوش ہو جاؤ اللہ تعالیٰ رزق دے گا۔" وہ کہنے لگا: "افسوس ہے! طفل تسلی مت دو' کچھ ہے تو تلاش کر کے لے آؤ۔" کہنے لگی: "ہاں! آنے ہی والا ہے بس ذرا انتظار کیجئے' ہمیں اللہ کی رحمت کی بہت امید ہے۔" جب اس کا ٹال مٹول حد سے بڑھ گیا تو کہنے لگا: "اللہ کی بندی! بہت افسوس کی بات! اگر کچھ ہے تو کھڑی ہو جاؤ جلدی لے آؤ' اتنی تکلیف ہے کہ میرا پیمانۂ صبر لبریز ہو رہا ہے۔" بیوی کہنے لگی۔ ہاں ابھی تنور ٹھنڈا ہوتا ہے تو لے آتی ہوں' ذرا صبر کریں۔ جب اس نے کچھ دیر خاموشی اختیار کی اور بیوی بھی انتظار میں تھی کہ اچانک بیوی کے دل میں خیال آیا کہ میں بھلا تنور میں جا کر دیکھوں تو سہی' جب وہ گئی تو تنور میں دیکھا کہ وہ بکری کے بھنے ہوئے شانوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور چکی جو ہے وہ آٹا پیس رہی ہے۔ بیوی چکی کی جانب گئی اسے جھاڑا اور روٹیاں تیار کیں' اور تنور میں جو بکری کے بھنے ہوئے شانے تھے ان کو باہر نکالا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس ذات کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان جس کے ہاتھ میں ہے! اگر وہ بی بی چکی کے پیٹے میں جو تھا وہی لیتی جاتی اسے جھاڑتی نہ تو وہ قیامت تک پیستی جاتی۔" [1]

---

[1] مسند احمد (۴۲۱/۲)۔ اس کی سند میں شہر بن حوشب ہے جو کمزور ہے۔ مگر بعد والی روایت اسے تقویت دیتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک آدمی اپنے گھر داخل ہوا' جب دیکھا کہ گھر میں بہت ہی فاقہ مستی ہے تو صحرا کی طرف نکل گیا۔ بعد میں جب اس کی بیوی نے دیکھا کہ میرے خاوند کو سخت دھچکا لگا ہے تو وہ چکی کی جانب گئی' اسے اس کی جگہ پر ٹکا دیا' اور تنور کی جانب متوجہ ہوئی اسے آگ لگائی۔ پھر کہنے لگی:

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا

"اے اللہ! ہمیں رزق کی فراوانی عطا فرما۔"

پھر جب اس نے ٹب دیکھا کہ وہ سالن سے بھر گیا ہے' اور تنور کی طرف گئی تو اسے روٹیوں سے بھرا ہوا پایا۔ آدمی واپس آیا کہنے لگا: "میرے بعد کچھ کھانے کو ملا ہے یا کہ نہیں۔" بیوی نے جواب دیا نَعَمْ مِنْ رَبِّنَا ہاں کسی سے تو نہیں بلکہ صرف ہمارے رب کی جانب سے ملا ہے۔ بعد ازاں اس عورت نے وہ چکی اٹھا دی۔ آدمی نے اس واقعہ کو نبی ﷺ کے سامنے ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا: "اگر وہ اس چکی کو نہ اٹھاتی تو یہ روز قیامت تک رواں رہتی۔"[1]

---

[1] مسند احمد۔ (۲/۵۱۳) سند صحیح ہے۔ اس کے راوی صحیح ہیں۔ اسے بزار اور طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ تنقیح ج ۲ ص ۳۷ و مجمع الزوائد (۱۰/۲۵۶۔۲۵۷)

ایک عورت کو صبر کا پھل ملتا ہے

ایک عورت کی کھیتی اولوں نے برباد کر دی تو اس نے صبر کیا اس نے گلہ شکوہ اور واویلا نہ کیا۔ تو اس کو اس کا عوض ملتا ہے۔

برقی [1] کہتے ہیں:

میں نے ایک جنگل میں ایک عورت کو دیکھا اس کی کھیتی لہلاتی تھی۔ اچانک ایک دن اولے برسے جنھوں نے اسے نیست و نابود کر دیا۔ اتنا زیادہ نقصان ہوا کہ لوگ اس کے پاس تعزیت کے لیے آئے' اس دیہاتی عورت نے اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھائی اور کہنے لگی۔

"اے پروردگار! تجھ سے ہمیشہ بہتری کی امید کی جاتی ہے اور جو کچھ تلف ہوا ہے اس کا معاوضہ تیرے ہی دست قدرت میں ہے۔ ہمارے ساتھ وہ حسن سلوک فرما جس کا تو اہل ہے' ہمیں رزق فراہم کرنا تیرے ہی ذمہ ہے اور ہماری تمام آرزوؤں کا مرکز تُو ہی ہے۔"

برقی کہتے ہیں: میں وہیں ٹھہر گیا کہ اس دعا کی تاثیر دیکھوں۔ اچانک اس شہر کا ایک صاحب حیثیت شخص آیا جو کہ فضلاء میں سے تھا' پہلے اس نے تعزیت کی بعد ازاں پانچ سو دینار اس عورت کے حوالے کیے اور چل دیا۔ [2]

---

[1] ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی' اور نام احمد بن جعفر بن عبد ربہ بن حسان الکاتب تھا۔ برقی کے نام سے معروف و مشہور ہیں۔ خطیب بغدادی نے تاریخ ج ۴ ص ۶۹ پر ان کے حالات زندگی قلم بند کیے ہیں۔

[2] الفرج بعد الشدۃ ج ۱ ص ۱۸۹۔

دامنِ عصمت کی برکت

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ایک دفعہ کی بات ہے تم سے پہلے لوگوں میں سے تین آدمی پیدل سفر میں رواں دواں تھے۔ اچانک بارش ہونا شروع ہو گئی۔ انہوں نے ایک قریبی غار میں پناہ لی' غار ان پہ بند ہو گئی' کہ اس کے دھانے پہ پتھر آن گرا تھا۔ اب وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے : اے ساتھیو! اللہ کی قسم! آج تمہیں فقط سچ ہی نجات دلائے گا' لہٰذا ہر شخص ہم سے جو سچائی رکھتا ہے آج رب کی بارگاہ میں پیش کر دے' شاید نجات مل جائے۔

لہٰذا ان میں سے ایک نے اپنی التجا اپنے رب کے حضور یوں پیش کی:

اے میرے اللہ! تجھے معلوم ہے میرا ایک مزدور تھا' چاولوں کے تین صاع کے عوض اس نے میری مزدوری کی۔ (کسی بات پر) وہ ناراض ہو کر چلا گیا اور انہیں چھوڑ گیا۔ میں نے ان چاولوں کو کاشت کیا' منافع اتنا بڑھ گیا کہ میں نے اس سے گائیں خریدیں۔ ایک عرصہ بعد اچانک وہ واپس آیا اور مجھ سے اپنی مزدوری کا مطالبہ کیا کہ "تیرے پاس میرے تین صاع چاول ہیں۔ وہ مجھے دے دے۔" میں نے اس سے کہا: "یہ گائیوں کے تمام کے تمام ریوڑ تمہارے ہیں۔ لہٰذا انہیں ہانک کر لے جا۔" اس نے کہا کہ: "میں نے تو آپ سے تین صاع چاول لینے ہیں میں نے گائیں نہیں لینی۔" تو میں نے کہا تھا کہ: "یہ انہی تین صاع چاولوں ہی کی برکت ہے تو وہ تمام کی تمام گائیں ہانک کر چلتا بنا (ایک بھی نہ چھوڑی) اے اللہ! اگر یہ کام میں نے محض تیرے ڈر سے کیا ہے تو کشادگی پیدا فرما دے۔ اس سے چٹان تھوڑی

سی پیچھے ہٹ گئی۔

اس کے بعد دوسرا یوں راز و نیاز کرنے لگا:

اے میرے اللہ! میرے بوڑھے عمر رسیدہ والدین تھے۔ میں انہیں ہر شب بکریوں کا دودھ نوش کروایا کرتا تھا۔ ایک رات میں نے دیر کر دی، جب میں آیا تو وہ محو خواب ہو چکے تھے۔ میرے اہل و عیال بھوک کی وجہ سے بلبلا رہے تھے۔ میری عادت تھی کہ میں اپنے اہل و عیال کو اس وقت تک دودھ نہیں پلاتا تھا جب تک میرے والدین نہیں پیتے تھے۔ اور میں نے انہیں بیدار کرنا بھی گوارا نہ کیا اور میں نے یہ بھی پسند نہ کیا کہ انہیں چھوڑ دوں کہ وہ بعد میں پی لیں گے، تو میں طلوع فجر تک ان کی بیداری کا انتظار کرتا رہا، (تاکہ اٹھیں اور دودھ پی لیں) اے اللہ! تجھے معلوم ہے اگر تو میں نے یہ عمل نیک تیرے خوف سے کیا ہے تو کشادگی فرما دے۔" اس پر چٹان اپنی جگہ سے مزید سرک گئی، یہاں تک کہ انہیں آسمان نظر آنے لگا۔

تیسرے مسافر نے رب کبریاء کی بارگاہ میں یوں التجا کی؛

اے میرے اللہ! تجھے معلوم ہے میرے چچا کی ایک بیٹی تھی۔ مجھے سب لوگوں سے زیادہ پیاری تھی۔ میں نے اسے بارہا ورغلایا مگر وہ انکار ہی کرتی رہی۔ ایک دفعہ حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر میرے پاس آئی اور سو دینار کی اشد ضرورت بیان کی۔ سو دینار کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہمت ہار گئی۔ تو میں نے سو دینار اسے تھما دیئے۔ اور وہ وعدہ کے مطابق میرے زیر اثر ہو گئی۔ جب میں بلا رکاوٹ فعل بد کا ارتکاب کرنے لگا تو کہنے لگی: "اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر، اس مہر کو ناحق نہ توڑ۔" تو یہ بات سن کر میں اٹھ کھڑا ہوا اور میں نے گناہ بھی نہ کیا اور جو سو دینار (اس کو قرض دیا) تھا وہ بھی چھوڑ دیا۔ اے اللہ! اگر تجھے معلوم ہے کہ یہ میں نے تیرے خوف

سے کیا ہے تو ہمیں کشادگی عطا فرما دے۔ (یعنی اس غار کہ جس کا منہ بند ہونے کی بنا پر ہم اس میں پھنس گئے ہیں' ہمیں اس سے رہائی و آزادی دے دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے وہ چٹان دور کر دی' غار کا منہ کھل گیا' وہ باہر آ کر جانب منزل روانہ ہو گئے۔[1]

---

[1] بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء : باب حدیث الغار (ح ۳۴۶۵) مسلم۔ کتاب الذکر والدعاء : باب قصۃ اصحاب الغار الثلاثۃ (ح ۲۷۴۳) مزید تفصیل سے گفتگو ہماری کتاب : الاعلام فیما ورد فی برالوالدین و صلۃ الارحام میں دیکھی جا سکتی ہے۔

حسن ظاہری پہ خوف الٰہی کا غلبہ

حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: ایک باغی عورت تھی وہ اپنے دور کی تمام عورتوں سے حسن میں فوقیت رکھتی تھی اور ایک سو دینار کے عوض خود سپردگی (اپنا سودا) کرتی تھی۔ ایک آدمی نے اسے دیکھا تو اسے وہ پسند آ گئی۔ وہ محنت' مشقت کرتا رہا' ایک سو دینار اس نے اکٹھا کر لیا۔ اور اس کے پاس آیا اور کہا: "تو مجھے پسند آ گئی تھی تو میں گھومتا رہا' دستی کام کرتا رہا یہاں تک کہ میں نے سو دینار جمع کر لئے ہیں' کہنے لگی: "میرے ملازم کو دے دو تاکہ وہ ان کا نقد و وزن کرے۔"

اس کا ایک بلندی پہ واقع گھر تھا اور سونے کی چارپائی تھی۔ بعد ازاں کہنے لگی: "آ جاؤ۔" .... جب وہ جائے خیانت پہ بیٹھا تو اسے اللہ کے سامنے کھڑا ہونا یاد آ گیا' جس کی وجہ سے اسے کپکپی آ گئی' اس کی آتش شہوت ماند پڑ گئی۔ کہنے لگا: "مجھے جانے دو' اور سو دینار بھی رکھو۔" کہنے لگی: "واقعہ کیا پیش آگیا ہے' خود ہی تو نے بتایا ہے کہ میں تجھے پسند آئی ہوں۔ پھر مجھے حاصل کرنے کے لیے تو نے محنت و مشقت برداشت کی ہے' اور سو دینار بھی جمع کیے ہیں۔ اب جبکہ تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہے تو یہ کام کر دیا ہے !!....." کہنے لگا:

"اس کا باعث صرف اللہ تعالیٰ کا خوف ہے' مجھے اس کے سامنے پیش ہونا یاد آ گیا۔" وہ کہنے لگی: "اگر یہ بات حقیقت ہے تو پھر میرا خاوند ہونا ہی تجھے چاہیئے۔" کہنے لگا: "مجھے چھوڑ دے۔" کہنے لگی: "چھوڑ تو دیتی ہوں مگر تو مجھ سے پیمان باندھ کہ تو مجھ سے شادی کرے گا۔" وہ کہنے لگا: "نہیں! (میں وعدہ نہیں کرتا) مجھے باہر جانے دے۔" وہ کہنے لگی: "یہ اسی صورت ممکن ہے کہ مجھے عہد دو کہ اگر تو آیا تو مجھ سے شادی کرے گا۔" کہنے لگا: "ہو سکتا ہے ایسا کر لوں۔" پھر اپنا کپڑا لپیٹ کر اپنے شہر کی

طرف نکل گیا۔

بعد میں اس آدمی کی کیفیت دیکھ کر اس عورت نے اشک ندامت بہاتے ہوئے اپنی رنگین دنیا کو خیرباد کہا' اور اس آدمی کے شہر میں پہنچ گئی۔ اس کا نام اور گھر کا پتہ پوچھا تو اسے بتایا گیا۔ اس آدمی کو اطلاع دی گئی کہ ملکہ حسن بذات خود تجھے تلاش کر رہی ہے۔ جب اس نے اس عورت کو دیکھا تو ایک آہ دردناک بھری اور موت کی وادی میں اتر گیا۔ اور اس کے ہاتھوں میں جان دے دی۔ کہنے لگی: یہ تو ہاتھوں سے نکل گیا' اس کا کوئی قریبی رشتہ دار ہے؟" کہا گیا: "ایک فقیر بھائی ہے۔" کہنے لگی۔ تیرے بھائی کی محبت کی وجہ سے میں تجھ سے شادی کرتی ہوں۔" اس سے شادی ہوئی تو سات بیٹے اس سے پیدا ہوئے۔ انتہیٰ)[1]

---

[1] روضۃ المحبین ص ۴۷۷' ۴۷۸۔ ذم الھوی لابن الجوزی (ص ۲۴۸۔۲۴۹)

اِدھر توبہ کی اُدھر پروانۂ مغفرت

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
کفل بے تحاشا گناہ کیے جا رہا تھا۔ اس کے پاس ایک عورت آئی کہ یہ اسے ساٹھ دینار دے کر اس سے روسیاہی کرے گا۔ جب اس نے اس عورت پر مکمل دسترس حاصل کر لی تو وہ کپکپانے اور رونے لگی۔ کفل نے دریافت کیا: "کیوں رو رہی ہے؟" کیا میں نے تجھ سے کوئی زبردستی کی ہے۔ تو خود بخود آئی ہے۔؟"
کہنے لگی: "نہیں مجھ پر کوئی جبر نہیں ہوا۔ بات یہ ہے کہ یہ روسیاہی میں نے آج تک نہیں کی' میری فاقہ مستی نے مجھے مجبور کیا ہے۔" کہنے لگا: "آج تو وہ جرم کر رہی ہے جو تو نے کبھی نہیں کیا۔ اور میں نے کبھی جرم سے گریز نہیں کیا۔" پھر کہا: "چلی جاؤ اور ساٹھ دینار بھی لے جاؤ' وہ بھی تمہارے ہیں۔" پھر عزم بالجزم کرتے ہوئے کہنے لگا: "اللہ کی قسم! ذوالکفل آج کے بعد کبھی اللہ کی معصیت کا کام نہیں کرے گا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ وہ اسی رات مرگیا۔ صبح اس کے دروازے پہ لکھا تھا۔
قَدْ غَفَرَاللّٰهُ لِذِی الْكِفْلِ
اللہ تعالیٰ نے ذوالکفل کو بخش دیا۔[1]

ابو عمران جونی کہتے ہیں:
بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا کسی برائی سے باز نہ آتا تھا۔ ایک اہل خانہ کو

---

[1] مسند احمد ح (۲/۲۳) ترمذی کتاب صفة القيامة: باب (۴۸) ح ۲۴۹۶۔ اس کی سند کو شیخ البانی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (ضعیف ترمذی ۴۴۸/۲۶۲۷) ترمذی نے کہا یہ حسن ہے مستدرک حاکم ج ۴ ص ۲۵۴۔ ۲۵۵

سخت فاقہ کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اس کی جانب ایک لڑکی روانہ کی جو کچھ اس سے مانگ کر لائے۔ اس نے کہا: "نہیں! جب تک میری بات نہ مانو گی کچھ نہ ملے گا۔" وہ باہر چلی گئی۔ جب وہ بہت ہی زیادہ فاقہ مستی کا شکار ہو گئے تو انہوں نے پھر اس لڑکی کو بھیجا۔ اس نے یہی مطالبہ دھرایا۔ وہ بے چاری مجبوراً کہنے لگی۔ "ٹھیک ہے۔" جب اسے گوشہء خلوت میں لے گیا تو اس لڑکی نے جھرجھری لی جس طرح کھجور کے پتے حرکت کرتے ہیں۔ وہ اس لڑکی سے کہنے لگا: "تجھے کیا ہے۔ ایسا کیوں کر رہی ہو؟" اس نے کہا: "میں رب العالمین کے خوف سے کپکپا رہی ہوں۔ کیوں کہ یہ جرم میں نے کبھی نہیں کیا۔" کہنے لگا: "آہ! تو اللہ سے لرزہ براندام ہے اور یہ کارِ سیاہ نہیں کرتی جبکہ میں یہ کرتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہوں آیندہ اس زندگی میں کبھی برائی کی طرف رجوع نہ کروں گا۔" اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے نبی کی جانب وحی کی کہ فلاں آدمی اہل جنت میں سے ہے۔ (انتہیٰ)

لہ ذم الهوىٰ (ص ۲۵۰)

قرآن پاک کی غیرت کرنے والے کا صلہ

علامہ مبرد اپنے استاد گرامی ابو عثمان مازنی سے بیان کرتے ہیں کہ ایک ذمی (جو غیر مسلم، مسلمان حکومت کے تحت معاہدہ سے رہتا ہو) ان کے پاس اس مقصد کے لیے آیا کہ انہیں سیبویہ کی کتاب سنائے اور اس کے ساتھ ایک سو دینار بھی اس نے دینا چاہا۔ تو عثمانی مازنی نے لینے سے انکار کر دیا اور اسے واپس کر دیئے' مبرد کہتے ہیں: میں نے مازنی سے کہا' اتنی بڑی مقدار میں ملنے والا مال آپ واپس کر رہے ہیں حالانکہ آپ شدید فاقہ کشی سے گزر رہے ہیں۔

مازنی نے کہا: "یہ کتاب تقریباً کتاب اللہ کی تین صد آیات پر مشتمل ہے۔ میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ میں اس ذمی کو قرآن پاک پر مسلط ہونے دوں۔"

پس اتفاق سے ایسا ہوا کہ واثق باللہ عباسی خلیفہ کے دربار میں ایک لونڈی عربی کا یہ کلام گنگنا رہی تھی:

اظلوم ان مصابکم رجلاً
اھدی السلام تحیۃ ظلم

اے ستم گر کسی آدمی کو مصیبت زدہ کرنا بہت بڑا ظلم ہے خصوصاً اس کو جس نے سلام کا تحفہ بھیجا ہے۔

اہل مجلس رَجلٌ لفظ کے اعراب میں اختلاف کرنے لگے۔ بعض کہنے لگے یہ منصوب ہے۔ یعنی دو زبر اس پر ہیں۔ کیونکہ یہ اِنَّ کا اسم ہے۔ جو کہ زبر والا ہوتا ہے۔ اور بعض نے اسے رفع پیش کے ساتھ کہا کہ یہ اَنَّ کی خبر ہے جو کہ مرفوع ہوتی ہے۔ مگر لونڈی نصب پر مصر تھی کہ رجلاً ہے۔ اور ساتھ ہی کہنے لگی کہ: "مجھے میرے استاد ابو عثمان مازنی نے اسی طرح پڑھنے کی تلقین کی ہے۔"

واثق نے ابو عثمان کو حاضر کرنے کا حکم دیا کہ اسے میرے سامنے لایا جائے۔ ابو عثمان کہتے ہیں: جب مجھے واثق کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ کہنے لگا: "آپ کون ہیں؟" میں نے کہا: "میں بنی مازن سے تعلق رکھتا ہوں۔" اس نے کہا: "کون سے بنی مازن سے۔ مازن تمیم سے، یا مازن قیس سے، یا مازن ربیعہ سے؟۔"

میں نے کہا: "مازن ربیعہ سے میرا تعلق ہے۔" اس نے میری قومی زبان میں گفتگو کی۔ مجھ سے کہنے لگا: بِاسْمِكْ آپ کا نام کیا ہے؟ کیونکہ میری قوم کے لوگ میم کو باء سے بدل کر پڑھتے ہیں۔ اور باء کو میم سے بدل کر پڑھتے ہیں۔

میں نے ناپسند کیا کہ لفظ مکر سے اس کا اور میرا آمنا سامنا ہو۔ میں نے کہا۔ بکر اے امیر المومنین، مطلب تھا اصل مقصد بتائیں اے امیر المومنین۔ بنی مازن اسے میم سے مکر پڑھتے تھے۔ اس کا معنی فریب بھی ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے باء کے ساتھ بکر پڑھا۔ کہ اصل بات کی طرف جلدی آئیں۔ واثق سمجھ گیا کہ میرا مقصد کیا ہے۔ اور بہت خوش ہوا کہ میں نے موقعہ کے مطابق بات کی ہے۔

کہنے لگا۔ شعر کے اس قول کے بارے میں کیا خیال ہے۔

اظلوم ان مصابکم رجلا   اهدى السلام تحية ظلم

"رجلا کو آپ پیش دے کر پڑھتے ہیں یا زبر دے کر۔" میں نے عرض کی:

"زیادہ مناسب تو زبر ہی ہے۔ کہ رجلا پڑھا جائے۔ اس نے کہا اس کی وجہ کیا ہے؟" میں نے عرض کی: "وجہ یہ ہے کہ مصابکم۔ مصدر ہے۔ جو إِصَابَتُكُمْ کا معنی دیتا ہے۔" یزیدی نحوی مجھ سے الجھنے لگا۔ میں نے کہا: یہ اسی طرح ہے جس طرح کہیں۔ اِنَّ ضَرْبَكَ زَيْدًا ظُلْمٌ تیرا زید کو مارنا ظلم ہے۔ رجلا جو ہے۔ مصاب کا مفعول ہے۔ اس وجہ سے منصوب (زبر والا ہے) اس کی دلیل یہ ہے کہ کلام مکمل تب ہوتی ہے جب اس کا تعلق ظلم کے ساتھ قائم کیا جائے۔"

واثق نے اس دلیل و رائے کو مستحسن قرار دیا، اور مجھ سے کہنے لگا:

"آپ کی اولاد ہے؟" میں نے عرض کی: "ہاں امیر المومنین! میری ایک بیٹی

ہے۔" واثق نے کہا: "جب آپ میرے پاس آنے کے لیے روانہ ہوئے تھے تو وہ کیا کہتی تھی؟" میں نے کہا: "وہ اعشیٰ شاعر کا شعر پڑھتی تھی۔

يَا أَبَتَا لَا تَرِمْ عِنْدَنَا
فَإِنَّا بِخَيْرٍ إِذَا لَمْ تَرِمْ
تَرَانَا إِذَا أَضْمَرَتْكَ الْبِلَادُ
نُجْفَى وَ تُقْطَعُ مِنَّا الرَّحِمُ

"اے پیارے ابا جان! آپ ہم سے جدا نہ ہوں' بے شک ہم نے سب کچھ پالیا ہے جب آپ ہمارے پاس ہوں گے۔

جب آپ در بدر پھر کر شہروں کے آفاق میں گم ہو جائیں گے تو ہمارا بھی کوئی ٹھکانہ نہ ہو گا اور رشتہء قرابت بھی کٹ جائے گا۔

واثق نے کہا: "آپ نے اسے کیا کہا تھا؟" میں نے کہا: "جی میں نے اسے جریر شاعر کی زبانی جواب دیا تھا:

ثِقِيْ بِاللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ شَرِيْكٌ
وَمِنْ عِنْدِ الْخَلِيْفَةِ بِالنجاح

کہ بیٹی! اس اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھ جس کا کوئی شریک نہیں' اور اعتماد رکھ کہ خلیفہ کے پاس سے کوئی کامیابی کی صورت نکل آئے گی۔

خلیفہ نے کہا: "پھر اب کامیابی میرے اوپر فرض ہو چکی ہے۔" ان شاء اللہ۔ پھر میرے لیے ایک ہزار دینے کا حکم دیا۔ نیز نہایت ہی اعزاز کے ساتھ مجھے بصرہ واپس لوٹانے کا حکم دیا۔" ابو العباس مبرد کہتے ہیں: جب بصرہ واپس لوٹے تو مازنی نے مجھ سے کہا: "اے ابو العباس' بتائیے! کیسا ہے! ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک سو دینار واپس لوٹا دیا تھا تو اللہ پاک نے اس کے عوض ہمیں ایک ہزار دے دیا ہے۔[1]

---

[1] انباہ الرواۃ علی انباہ النحاۃ (۱/۲۸۴۔ ۲۸۵) معجم الادباء (۷/۶۱) وفیات الاعیان (۲/۸۴'۸۵)، شذرات الذهب (۲/۱۱۳۔ ۱۱۴)

لہو ولعب کو چھوڑا تو ہر جگہ معزز بن گیا

الشیخ عادل الکلبانی نے اپنی لہو و لعب سے معمور معصیات سے بھرپور زندگی کو ترک کر کے قرآن کو اپنا دوست بنا لیا۔ اللہ نے ان کو حافظ القرآن الحکیم ہونے کا اعزاز بخشا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر جگہ معزز و محترم بنا دیا۔ اور ایک ایسا خطیب دلپذیر بنا دیا کہ جس کو دور دور سے لوگ سننے کے لیے جمعہ کے روز جامع مسجد شاہ خالد میں جمع ہو جاتے۔

ام الحمام میں موجود جامع (مسجد) شاہ خالد شہر الریاض کے نمایاں مقامات میں سے ہے۔ رمضان وغیرہ میں سینکڑوں نمازی اس مسجد کا رخ کرتے ہیں تاکہ امام مسجد و خطیب الشیخ عادل کی خوبصورت اور پر خشوع نیز پر حزن اور پر تاثیر آواز سنیں۔ اسلامی تحریک کے دیگر جوانوں کی طرح حصول ہدایت میں ان کا بھی ایک واقعہ ہے۔ جو انہوں نے ہمیں بتایا ہے' وہ فرماتے ہیں:

"میں کوئی بڑے درجے کا گمراہ نہ تھا جی ہاں ...... کچھ بڑے گناہ اور لغزشیں تھیں جن کے محاسبہ میں پہلے میں اپنی ذات کو رکھتا ہوں پھر خاندان اور معاشرے کو۔ مجھے ایک دن بھی کسی نے نماز کا حکم نہیں دیا نہ کسی ایسی جماعت میں بیٹھا جس میں قرآن پاک حفظ کرتا۔ میں نے اپنا بچپن ایسے گزارا جیسے اس دور میں کوئی بچہ ہوتا ہے۔ کھیل' تماشہ' ٹیلی ویژن' گن گنانا' چمک دمک۔ [1]

---

[1] اپنی زندگی کے متعلق یہ باتیں خود شیخ عادل نے الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند کو لکھ کر بھیجیں۔ جزاہ

نرد کے مہروں سے کھیلنا ہمارا محبوب مشغلہ تھا۔[1] ہم گاڑیوں سے چمٹے رہتے۔ ریت کے ٹیلوں پر گھومتے' سکول سے آنے کے بعد فضول سڑکوں پر پھرتے۔ ساری ساری رات ٹیلی ویژن اور کہانیوں وغیرہ کے لیے جاگتے رہتے۔

ہم اللہ تعالیٰ کو صرف نام سننے کی حد تک جانتے تھے۔ جس کا بچپن اس طرح کا ہو یقیناً اُس کی جوانی کھیل' مال اور کہانیوں وغیرہ کی محبت میں پروان چڑھے گی اور میرے ساتھ ایسا ہی ہوا۔

تفصیل و تطویل میں جانے سے میں معذرت چاہتا ہوں۔ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کے آغاز کی طرف لے جاتا ہوں۔

ایک دن میں اپنی والدہ کو اُن کی ایک سہیلی کی ملاقات کے لیے لے گیا۔ وہاں ایک پروگرام تھا (جو اب میں ذکر نہیں کرتا) میں گاڑی میں بیٹھا اُن کے واپس نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے ریڈیو کا سٹیشن بدلا۔ اتفاقاً اُس سوچ نے قرآن کریم کی نشریات والے سٹیشن کو چلا دیا۔ غم و فکر کی آواز میں اچانک ایک شخص کچھ آیات کی تلاوت کر رہا تھا جو سنتے ہی دل میں اُترتی چلی گئیں کیونکہ میں یہ پہلی مرتبہ سن رہا تھا:

﴿ وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَٰلِكَ مَا كُنتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴾ (ق: ۱۹/۵۰)

"اور موت کی بے ہوشی سب حقیقت کھول دے گی۔[2] (اس وقت اس سے کہا جائے گا) یہی تو وہ ہے (یعنی موت) جس سے ڈر کر تو بھاگا پھرتا تھا۔"

یہ الشیخ محمد صدیق المنشاوی کی آواز تھی' جو بہت پر اثر تھی۔

سچی بات یہ ہے کہ میں نے اس کے فوراً بعد ہی ہدایت اختیار نہ کر لی تھی۔ لیکن یہ ایسا واقعہ ہے کہ جو یہ میری ہدایت کے لیے پہلی اینٹ تھی۔ یہ سال موت کا

---

[1] یہ ایک کھیل ہے جس میں مہرے ہوتے ہیں جن کو چوسر کی گوٹ بھی کہا جاتا ہے۔

[2] یعنی آخرت کی جن باتوں کی انبیاء علیہم السلام نے خبر دی تھی۔ موت آتے ہی بندہ انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا شروع کر دے گا۔ اور ان کے بارے میں انہیں کسی قسم کا شبہ نہ رہے گا۔

سال تھا۔ اس میں بڑی تعداد میں عظیم لوگوں' سیاستدانوں اور گانے والوں کی اموات ہوئیں۔

مجھے بھی موت کی فکر لاحق ہو گئی حتیٰ کہ میں پاگل ہونے کے قریب تھا۔ میں اپنی نیند سے بھی ڈرتا تھا بلکہ نیند میری آنکھوں سے اُڑ گئی تھی جب بہت تھک جاتا تب ہی میں سویا کرتا تھا۔ میں سب دعائیں پڑھتا تھا اور تمام اسباب کو اپناتا تھا۔ لیکن یہ فکر مسلسل لاحق رہا۔

میں نماز کے وقت پر باجماعت پابندی کرنے لگ گیا۔ پہلے میں اُس میں سستی کرتا تھا بلکہ نماز سے بھاگتا تھا' موت کے ڈر سے نماز کو توڑ دیتا تھا۔

میں موت سے کیسے بھاگ سکتا ہوں؟ اُس سے کیسے بچ سکتا ہوں؟ ..... مجھے سوائے ایک کے کوئی راہِ فرار نہ ملی۔ یہ کہ میں اللہ کی طرف بھاگوں۔ کون اللہ .....؟

جو بلا شک میرا پروردگار ہے ..... تب تو مجھے اس کی پہچان چاہیئے ..... میں قیامت کے متعلق سوچنے لگا ...... حشر و نشر کے متعلق ..... برجوں والے آسمان کے متعلق ...... سورج اور اس کی روشنی کے متعلق ...... اور چاند کے متعلق جب وہ روشن ہو۔ میں بہت قراءت کرتا تھا۔ یہ معلوم رہے کہ میں اللہ کی کتاب سے محبت رکھنے والا تھا گو کہ میں گمراہی میں تھا۔ آپ اس بات کو عجیب جانیں گے کہ میں نے ایسی جگہ بیٹھ کر بعض سورتیں حفظ کر لیں جہاں اللہ کے نام کی کبھی یاد دہانی نہیں ہو سکتی۔ میں نے کئی سالوں پر مشتمل یہ رنج و الم اور تکلیفوں کا دورانیہ گزارا۔ حتیٰ کہ میں نے پوری تیاری کر لی اور عملی طور پر میں نے رائے قائم کر لی کہ اللہ کے سامنے اُسی کے دربار کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ بے شک موت آئے گی اس میں کچھ شک نہیں ہے' ہم میں سے ہر شخص کو اس کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔ جیسے ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ

﴾ (آل عمران: ۳/۱۰۲)

"مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان

ہی مرنا۔

میرے بھائیو! اس آیت پر غور کرو آپ کو عجب بات نظر آئے گی۔

اپنے اردگرد اللہ کی سب نشانیوں پر غور کرو خود اپنے آپ میں بھی۔ کیا تم دیکھتے نہیں؟ عقلی طور پر تم محسوس کرو گے کہ بے شک قیامت آنے والی ہے' اُس میں کچھ شک نہیں ہے اور یہ کہ اللہ قبروں والوں کو اٹھائیں گے۔ تو پھر کیا حل نکلے گا؟ ہم اللہ کی طرف لوٹیں۔ ہم اس سے توبہ کریں کہ اس کی فرمانبرداری والا کام کریں۔

بہرحال ! میں اللہ کی طرف لوٹ آیا اور میں نے اس کے پاک کلام سے محبت کی۔ میری ہدایت کے آغاز سے ہی میرا اللہ کی عظیم کتاب کے ساتھ حقیقی ربط بھی شروع ہو گیا۔ جب کبھی میں کسی امام کے پیچھے نماز پڑھتا جس کی قراءت مجھے اچھی لگتی یا آیات جو اس نے پڑھی ہوتیں۔ میں فوراً گھر لوٹ آتا تاکہ اُن کو حفظ کر لوں۔ پھر مجھے سلیمانیہ میں جامع (مسجد) صلاح الدین میں امام مقرر کر دیا گیا۔ میں نے ۱۴۰۵ھ میں لوگوں کو رمضان میں نماز تراویح قرآن پاک سے دیکھ کر پڑھائی۔ ماہ (رمضان) ختم ہونے کے بعد میں نے اللہ سے اور پھر اپنے آپ سے وعدہ کیا کہ میں قرآن حفظ کروں گا اور آئندہ سال اللہ کی مدد اور توفیق سے اسے (نماز تراویح میں) زبانی پڑھوں گا۔ یہ کام ہو گیا۔ میں نے اسی سال ماہ شوال کی دس تاریخ کی فجر سے حفظ قرآن کے لیے اپنا ایک ٹائم ٹیبل بنا لیا۔ یہ آئندہ سال یعنی ۱۴۰۶ھ کے ماہ جمادی الثانیہ کے نصف تک برابر چلتا گیا۔ اس دورانیہ میں اللہ کی تعریف اور احسان سے میں نے قرآن حکیم کو مکمل طور پر حفظ کر لیا۔ نماز فجر کے بعد سونا میرے اس راستے میں ان دنوں بہت بڑی رکاوٹ بن گیا تھا۔ میں اس کو بالکل چھوڑ نہ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ اللہ نے میری مدد کی۔ میں نے کوشش ہمت اور صبر سے اس کا حل نکال لیا۔ حتیٰ کہ میں کئی دفعہ سوتا تو قرآن میرے سینے پر پڑا ہوتا۔ اس پابندی اور کوشش کے بعد میں ایسا بن گیا ہوں کہ میں بعد نماز فجر اب بالکل سو نہیں سکتا۔ پھر مجھے اللہ نے توفیق بخشی تو میں نے الریاض کے کلیہ- اصول الدین کے پروفیسر اپنے استاد الشیخ احمد مصطفیٰ ابو

حسین کو قرآن سنایا۔

اس سے میں بروز منگل ۱۹ رمضان ۱۴۰۷ھ کو فارغ ہوا۔ شیخ نے رسول اللہ ﷺ تک اپنی سند کے ساتھ مجھے اجازت لکھ دی (یعنی سند بنا دی) جو کہ بروایت حفص عن عاصم ہے۔ شاید اللہ پاک اپنی مدد و نصرت سے مجھے اس کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق دے۔

قرآن کے حوالہ سے میرا واقعہ یہ ہے۔ ہر وہ شخص جو قرآن حفظ کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اُس کو میری نصیحت ہے کہ وہ جتنا جلد ہو سکے قرآن حفظ کر لے۔

اس واقعہ کے ذیل میں چند باتیں ہیں جن میں میں بچے کی تربیت کے حوالہ سے خاندان کی ذمہ داری' معاشرہ کی ذمہ داری اور فرد کی اپنی ذمہ داری کی طرف اشارہ کروں گا جن کی حقیقت پر وہ غور و فکر کریں اور ان کو اپنائیں۔ پھر میں اشارہ کروں گا کہ اللہ کی کتاب کی اہمیت کیا ہے۔ یہ عظیم کتاب ہے جو لاکھوں کی تعداد میں چھپتی ہے اور اسلامی ریکارڈنگ کے ادارے اس کی کیسٹیں نکال رہے ہیں۔ تم دنیا میں بھلائی چاہتے ہو تو اس کو اپنا لو۔ تم آخرت میں بھلائی چاہتے ہو تو اس کو اپنا لو۔ اس اللہ کی قسم! جس نے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے بلند کیا ہے میں اپنی ذات میں کوئی ایسی بات نہیں سمجھتا جس وجہ سے مجھے مجالس میں نمایاں رکھا جاتا ہے۔ یا کوئی مسلمان اپنے ہاتھ سے مجھے اشارہ (غالباً سلام کرنا مراد ہے) کرتا ہے یا کوئی شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ جس نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہوتا' صرف یہ کہ یہ سب عزت مجھے کتاب اللہ سے فضیلت ملی ہے۔ یہ کالے رنگ کا بندہ لوگوں کے ہاں کتنا ذلیل ہو اگر اُس کے سینے میں اللہ کی کتاب نہ ہو۔ جب میں ان باتوں کو یاد کرتا ہوں تو بے اختیار میرے رخساروں سے بھی آنسو گزرنے لگتے ہیں۔ تو میں اللہ کے حضور التجائیہ دعا کرتا ہوں کہ یہ قرآن اُس دن میرا غم خوار دوست بن جائے جس دن مجھے موت آئے اور جس دن مجھ پر قبر کی مٹی برابر کر کے دفن کر دیا جائے۔ اور جس وقت میں اپنی قبر سے اپنے رب کے سامنے پیش ہونے کے لیے اٹھایا جاؤں۔

میں اس جلیل القدر ذات سے اُمید رکھتا ہوں کہ مجھ سے کہا جائے گا پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کر جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کیا کرتا تھا۔ تیری منزل اُس آخری آیت پر ہو گی جو تو پڑھے گا۔

میں اس جلیل القدر ذات سے سوال کرتا ہوں کہ میں بڑے' عزت والے نیک فرشتوں کے ساتھ ہو جاؤں اور یہ کہ لوگوں کی میرے ساتھ محبت کو وہ اپنی محبت کا عنوان بنا دے نیز جیسے وہ مجھے بلند شان دیتے ہیں یہ میرے لیے جنت میں بلند درجے کا باعث ہو۔ بے شک وہ بڑا سخی اور کرم کرنے والا ہے۔

آپ کا بھائی

العبد الفقیر الی رحمۃ ربہ المنان

عبدالالہ عادل بن سالم الکلبانی

قرآن سے روگردانی کا انجام

گناہوں کو ترک کرنے سے تو اللہ رب العزت انعامات سے نوازتا ہے اور اس سے بہتر بدلہ دیتا ہے' جیسا کہ آپ ملاحظہ کر رہے ہیں' جبکہ نیکیوں کو جان بوجھ کر چھوڑنے اور ان سے دشمنی روا رکھنے سے اللہ کریم کا غضب نازل ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کا انجام بہت عبرت ناک ہوتا ہے۔ یہ عبرتناک واقعہ بھی ایک ایسے شخص کی داستان عبرت ہے کہ جس نے مولویوں کی مصنوعی داستانوں سے خائف ہو کر اپنے بیٹے کو حفظ قرآن سے منع کیا لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نوجوان غلط روش پر چل نکلا اور اسی والد کے لیے عذاب بن گیا جس نے قرآن سے روکنے کے لیے اس پر تشدد کیا تھا۔ ایک قاریٔ قرآن نے اسے یہی بات ایامِ شباب میں سمجھانے کی کوشش کی لیکن اسے بڑھاپے میں جا کر سمجھ آئی جب کہ پانی سر سے گزر چکا تھا۔

میں مسجد کے شعبہ حفظ کا مدرس تھا۔ میں اس نوجوان کو روزانہ مغرب کے بعد مسجد میں دیکھتا' اس کی عمر کوئی پندرہ سال ہو گی۔ وہ ایک طرف آ کر بیٹھ جاتا اور چھوٹا قرآن پاک لے کر پڑھنا شروع کر دیتا۔ اور کن اکھیوں سے بار بار ہماری طرف دیکھتا رہتا۔

دراصل وہ پڑھتا نہیں تھا بلکہ ہمیں جھانستا دیتا تھا' یہ ہمارے پاس بیٹھنے کا ایک بہانہ تھا۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہم کیا کام کرتے ہیں؟ وہ چوری سے ہماری باتیں سنتا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ ہم کیا باتیں کرتے ہیں؟

جب میں اس کی طرف دیکھتا تو وہ آنکھیں جھکا لیتا اور دوبارہ پڑھنا شروع کر دیتا۔ وہ بلا ناغہ مغرب کے بعد بڑے وقار سے آ بیٹھتا

ایک دن میں نے پختہ عزم کر لیا کہ آج عشاء کے بعد ضرور اس سے ملوں گا

اور تعارف کروں گا۔ لہٰذا نماز عشاء کے بعد ...... میں اس کے پاس گیا اور کہا:

"میرا نام سلیمان ہے ..... میں شعبہ حفظ میں مدرس ہوں۔ آپ کا تعارف کیا ہے؟"

"میرا نام خالد ہے۔"

اس نے بڑی جلدی سے جواب دیا ..... یوں لگ رہا تھا جیسے وہ مہینوں سے یہ جواب دینے کے لیے بے تاب ہے اور اسے میرے اس سوال کی توقع تھی۔

تو خالد آپ کہاں پڑھتے ہیں؟

"میں آٹھویں کلاس میں پڑھتا ہوں ..... اور قرآن پاک سے بہت زیادہ پیار کرتا ہوں۔"

میرا تعجب اور بڑھ گیا..... کہ اس آخری جملے کی کیا ضرورت تھی؟

میں نے سوچا اسے کیوں نا حفظ پر آمادہ کیا جائے' میں نے کہا:

"خالد! کیا آپ کے پاس مغرب کے بعد فرصت ہوتی ہے؟"

"جی ہاں! میں مغرب کے بعد فارغ ہوتا ہوں۔"

"تو پھر آپ حفظ کے حلقے میں ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں۔ ہم اپنے ساتھ آپ کی موجودگی کو باعث سعادت سمجھیں گے۔" میں نے کہا

"بالکل! بالکل! ضرور ...... میں بڑی خوشی سے آؤں گا۔"

تو ان شاء اللہ کل ملیں گے۔

میں ساری رات اس عجیب نوجوان کے بارے میں سوچتا رہا۔ اور جو کچھ دیکھا' سنا اس بارے میں غور کرتا رہا۔ نیند سے میری آنکھیں بھاری ہو چکی تھیں۔ بالآخر مجھے عربی کا یہ معروف شعر یاد آگیا۔

ستبدی لك الایام ما کنت جاھلا

و یاتیك بالاخبار من لم تزود

آنے والے ایام تیرے لیے وہ چیزیں ظاہر کریں کے جن سے تو جاہل تھا۔ اور

تیرے پاس وہ خبریں آئیں گی جن سے تو ناواقف تھا۔
تو میں نے اپنے پہلو کو دائیں جانب رکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔
اَللّٰھُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَ اَحْيَا اے اللہ! تیرے نام سے مرتا ہوں اور (دوبارہ) زندہ ہوں گا۔

بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي ..... الخ
اے اللہ! تیرے نام سے اپنے پہلو کو رکھتا ہوں۔
اَللّٰھُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِي اِلَيْكَ .....
اے اللہ اپنا نفس تیرے سپرد کرتا ہوں .....
سونے کی دعائیں پڑھیں اور سو گیا۔
اگلے روز خالد کلاس میں آکر شریک ہوا۔ شب و روز اسی طرح گزرتے گئے۔
ہم نے دیکھا کہ خالد بڑی باقاعدگی سے کلاس میں آنے لگا۔ وہ بڑا ذہین تھا بڑی تیزی سے قرآن حفظ کرنے لگا۔
وہ سب لوگوں سے محبت کرتا تھا ..... تمام اس سے محبت کرتے تھے۔
وہ مصحف سے کبھی جدا نہ ہوتا ..... اور نماز میں پہلی صف نہ چھوڑتا۔
ہمیں اس کی ایک عادت بڑی عجیب لگتی تھی۔
کہ اس کا جسم تو ہمارے ساتھ ہوتا تھا لیکن روح کہیں اور ہوتی تھی۔
وہ بہت زیادہ سوچتا اور سب سے علیحدہ رہتا۔
جب کبھی میں اسے اچانک چونکاتا تو وہ بڑی ہوشیاری سے اپنے آپ پر قابو پا لیتا اور کوئی عذت پیش کر دیتا۔
جب کہ اسے یہ معلوم تھا کہ ہم اس کی بات تسلیم نہیں کرتے لیکن وہ پھر بھی کوئی نہ کوئی عذر پیش کر دیتا۔ ایک دن وہ بڑا پریشان تھا۔
میں اسے باہر دریا کے کنارے اپنے ساتھ لے گیا۔ کہ شاید اس کے دل کا راز ظاہر ہو جائے اور اس کے دل کا غم دریا کی لہروں کے ساتھ بہہ جائے۔ اور اس کی

روح خوش ہو جائے۔ ہم ساحل پر پہنچے اور اس پر چلنے لگے۔

رات کا وقت تھا...... چودھویں کا چاند دمک رہا تھا...... موسم بڑا خوشگوار تھا۔ بڑا پر کیف منظر تھا..... آسمان کی سیاہی دریا میں ڈوب چکی تھی ...... ہر طرف چاندنی بکھری ہوئی تھی ...... چاند کی سفید کرنیں سطح دریا پر بڑی خوشنما لگ رہی تھیں ...... اور ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ..... ہر طرف خاموشی تھی ..... دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آ رہا تھا۔

ہم ٹھہر گئے!

میں دریا کی حسین لہروں اور خالد کے درمیان حیران کھڑا تھا۔

اچانک !!!

خاموشی ٹوٹی ..... اور رونے کی درد بھری آواز بلند ہوئی ...... جس میں تلخی اور شدت تھی ...... یہ خالد کی غم ناک آواز تھی۔

میں اس کے اشکوں کی لذت اور رونے کی مٹھاس کو منقطع نہیں کرنا چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ بولا:

میں آپ سے محبت کرتا ہوں ...... قرآن سے محبت کرتا ہوں ..... اہل قرآن سے محبت کرتا ہوں ...... آپ جیسے نیک اور پاکیزہ لوگوں سے پیار کرتا ہوں۔

لیکن! لیکن! میرا ..... میرا باپ ..... میرا باپ۔

خالد! آپ کے باپ کو کیا ہے؟

میرا باپ ہمیشہ مجھے تمہارے ساتھ چلنے سے روکتا ہے ..... وہ تم سے ڈرتا ہے ...... مجھے آپ سے بیزار کرتا ہے ...... مجھے آپ سے متنفر کرتا ہے ...... آپ کے بارے میں جھوٹے قصے اور کہانیاں سناتا ہے ..... لیکن جب میں حلقہ قرآن میں آپ کے پاس آتا ہوں ..... آپ کے چہروں ..... کپڑوں ...... کلام ...... غرض ہر چیز میں نور دیکھتا ہوں تو مجھے اپنے والد صاحب کی باتوں میں شک ہونے لگتا ہے۔

میں پھر آپ کے ساتھ مغرب کے بعد بیٹھ جاتا ہوں۔

آپ کو دیکھ کر خوش ہوتا ہوں۔

آپ کی شفقت بھری نظروں اور آپ کے نور سے تشنگی دور کرتا ہوں۔

استاد محترم! مجھے وہ دن بار بار یاد آتا ہے ..... جب آپ عشاء کے بعد میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے تعارف کیا تھا' میں مدت سے اس انتظار میں تھا۔

تو آپ نے مجھے اپنی محبت میں قابو کر لیا۔

اور میری روح کو اپنے قبضے میں لے لیا۔

میں بھی اس پاکیزہ اور صاف ستھرے ماحول میں آپ کے ساتھ شامل ہو گیا۔

اور میں نے بھی اس نور و استقامت کے راستے کو اختیار کر لیا۔ میرے دن رات قرآن کی محبت میں گزرنے لگے۔ میں نے قرآن حفظ کرنے کے لیے بڑی محنت شروع کر دی۔

والد صاحب نے میرے اندر پیدا ہونے والی اس تبدیلی کو دیکھا تو کسی ذریعے سے معلوم کر لیا کہ میں حفظ میں داخلہ لے چکا ہوں۔

انہوں نے ہزار منع کیا لیکن میں بڑے صبر سے ان کی باتیں سنتا رہا۔

اور خاموشی سے آپ کے پاس آتا رہا۔

لیکن پھر ایک سیاہ رات آگئی۔

ہم روزانہ کے معمول کے مطابق ڈائننگ روم میں عشاء کا کھانا کھانے کے لیے ان کے منتظر بیٹھے تھے۔ وہ غصے سے بھرے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

ان کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں۔

میں خاموش تھا۔

ان کی موجودگی میں ہم میں سے کوئی بھی کلام کی جراءت نہیں کرتا۔

ہم دستر خوان پر بیٹھ گئے۔

انہوں نے بڑے غضب اور غصے سے مجھے پوچھا:

خالد! میں نے سنا ہے کہ ملاں کے ساتھ تمہارا اٹھنا بیٹھنا ہے۔

میری شامت آ گئی ..... میری زبان پر گرہ لگ گئی۔
میرے منہ سے کوئی جواب نہیں نکل رہا تھا۔
میرے منہ میں الفاظ خلط ملط ہو رہے تھے۔
لیکن انہوں نے میرے جواب کا انتظار کیے بغیر گرم چائے کا کپ پکڑا اور زور سے میرے منہ پر دے مارا۔
میرے سر کی دنیا چکرا گئی۔
میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔
میری والدہ نے مجھے سہارا دے کر کھڑا کیا۔
جب میں ہوش میں آیا تو میں والدہ کے مشفق ہاتھوں میں تھا۔
جب مجھے کچھ افاقہ ہوا تو والد صاحب والدہ کو ڈانٹ کر کہہ رہے تھے:
اسے چھوڑ دے ورنہ تجھے بھی ماروں گا۔
میں آہستگی سے والدہ کے ہاتھوں سے نکل کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔
وہ مجھے گندی گالیاں دیتا رہا ہے اور برے القابات سے نوازتا رہا۔
اس کے بعد کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب وہ مجھے نہ مارتا ہو۔
میرا باپ مجھے گالیاں دیتا ہے ..... گھونسوں اور لاتوں سے میری پٹائی کرتا ہے ..... جو بھی ہاتھ میں آئے دے مارتا ہے۔ اور میرے جسم پر سیاہ نشان پڑ چکے ہیں۔
میرا دل اس کے خلاف نفرت سے بھر چکا ہے۔
ایک روز ہم دستر خوان پر بیٹھے تو اس نے مجھے کہا:
اٹھ جا ..... ہمارا کھانا نہ کھا۔
قبل اس کے کہ میں اٹھتا وہ اٹھا اور اس نے میری کمر پر لات دے ماری۔
اور مجھے کھانے پر گرا دیا۔
اس وقت میں نے دل میں سوچا کہ اس کے سامنے زور زور سے چیخوں اور اس سے کہوں میں عنقریب تجھ سے پورا پورا بدلہ لوں گا۔

میں بھی تجھے ویسے ہی ماروں گا جیسے تو مارتا ہے۔
میں بھی تجھے ویسے ہی گالیاں دوں گا جیسے تو دیتا ہے۔
میں جوان ہوں گا اور تو بوڑھا ہو گا۔
میں طاقت ور ہوں گا اور تو کمزور ہو گا۔
اس وقت میں تیرے ساتھ وہی سلوک کروں گا جو تو آج کرتا ہے۔
بلکہ میں اس سے بھی بدترین بدلہ دوں گا۔
لیکن میں کچھ نہ کہہ سکا اور گھر سے بھاگ گیا۔
اور دوڑتے دوڑتے اس دریا تک پہنچ گیا۔
اور اس کی شفاف موجوں سے دل کا غم دھونے لگا' وہاں کی نرم فضا نے دل و دماغ کو کچھ آسودہ کیا۔
میں نے قرآن مجید لیا اور اس کو پڑھنا شروع کر دیا۔
اور خوب پھوٹ کر رویا۔
یہاں تک پہنچ کر خالد کی آواز پست ہو گئی۔
اور اس کی آنکھوں سے آنسو اتر آئے۔
اس نے ٹھنڈی آہیں بھرنا شروع کر دیں۔
چاند کی روشنی میں اس کے آنسو موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔
میں ششدر رہ گیا۔
میری زبان گنگ پڑ گئی ...... میری زبان سے کوئی لفظ نہ نکل رہا تھا۔
کیا میں اس بے رحم والد پر تعجب کروں جس کا دل رحم و کرم سے خالی تھا اور وہ وحشی بن چکا تھا۔
یا میں اس صابر بیٹے پر تعجب کرتا جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب کی اور استقامت کی راہ پر گامزن کیا۔
یا میں ان دونوں پر تعجب کرتا کہ باپ بیٹے کا رابطہ محال ہو چکا تھا۔

ان کا آپس میں شیر چیتے اور لومڑی بھیڑیے کا سا بیر ہو گیا ھا۔
میں نے اسے دلاسہ دیا اس کے آنسو صاف کیے۔
اور اسے صبر کی تلقین کی ...... اس کے لیے استقامت کی دعاء کی۔
اور اسے اپنے والد کی فرمانبرداری کی نصیحت کی۔
اگرچہ مجھے معلوم تھا کہ وہ ایسا ہی سلوک کرے گا جیسے پہلے کر رہا ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ میں تیرے والد سے ملوں گا انہیں سمجھاؤں گا اور ان سے شفقت کی درخواست کروں گا۔
ہم واپس آ گئے ...... وہ اپنے گھر چلا گیا۔
میں کچھ دن سوچتا رہا کہ اس کے والد سے کیسے بات کروں؟
اسے کیسے قائل کروں کہ وہ اپنے بیٹے پر ظلم نہ کرے؟
اسے میں اہل قرآن کے بارے میں کیسے مطمئن کروں؟ اسے حفظ قرآن کی کیا فضیلت بتاؤں؟ بلکہ اس کے دروازے پر کیسے دستک دوں اور اسے اپنا تعارف کراؤں اور اس سے بات کروں؟
بالآخر ایک دن میں نے پختہ عزم کر لیا ...... اور ذہنی طور پر مکمل تیار ہو گیا کہ ان شاء اللہ آج ضرور ان سے ملوں گا اور ان سے ملاقات کروں گا۔
میں خالد کے گھر کی طرف چل دیا۔
میرے ذہن میں کئی قسم کے افکارات و خیالات اور سوالات ابھر رہے تھے۔
میں نے بیل دی تو میرے ہاتھ کانپ رہے تھے۔
میری ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔
اچانک دروازہ کھلا۔
اور خالد کا والد بڑے غصے سے باہر نکلا ...... اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں میں نے مسکراہٹ کے ذریعے اس کے طیش کو جذب کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔
قبل اس کے کہ میں کوئی بات کرتا۔

اسی نے میرا گریبان پکڑ کر مروڑا۔

اور کہا: تو ہی وہ قاری ہے جو خالد کو قرآن پڑھاتا ہے۔

میں نے لرزتے ہوئے جواب دیا: ہ۔ ا۔ ں ..... ہاں

اس نے بپھرے ہوئے شیر کی طرح دھاڑ کر کہا:

اللہ کی قسم! اگر میں نے تجھے خالد کے ساتھ کہیں چلتا پھرتا دیکھ لیا تو تیری ٹانگیں توڑ دوں گا۔ اور اب یہاں سے دفع ہو جا ..... آج کے بعد خالد آپ کے پاس نہیں آئے گا۔

پھر اس نے منہ میں تھوک جمع کی ..... اور میرے منہ پر پھینک دی۔ اور جلدی سے دروازہ بند کر لیا۔

میں نے منہ صاف کیا ..... اور واپس چل دیا۔ اپنے آپ کو تسلی دینے لگا۔ رسول اکرم ﷺ اس سے بھی زیادہ ستائے گئے ..... آپ کو گالیاں دی گئیں ..... پتھر مارے گئے ..... پاؤں زخمی کیے گئے ..... آپ کی گردن پر اوجڑی رکھی گئی ..... آپ پر گندگی پھینکی گئی ..... آپ کو شعب ابی طالب میں محصور کیا گیا ..... آپ کو قتل کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔

اور میں کون ہوں جسے راہ حق میں نہ آزمایا جائے؟

اس کے بعد خالد ہمارے پاس نہ آیا۔ اس کے والد نے اسے مسجد میں نماز پڑھنے سے بھی روک دیا۔ اور ہمارے پاس آنے سے مکمل منع کر دیا۔ ہم کچھ عرصہ تک اس کے لیے کشادگی اور استقامت کی دعاء کرتے رہے۔ پھر ہم زندگی کی مصروفیات کے باعث اسے بھول گئے۔ کئی سال گزر گئے۔

ایک رات نماز عشاء کے بعد ایک بھاری بھرکم ہاتھ میرے کندھے کو تھام لیتا ہے۔

مجھے یاد آیا' اوہ! یہ وہی ہاتھ ہے جس نے کچھ سال قبل میری گردن کو پکڑا تھا۔

اور یہ تو وہی چہرہ ..... وہی جسم ہے۔

اور وہی منہ ہے جس نے میرے منہ پر تھوکا تھا!!!

لیکن اب یہاں یہ بڑی تبدیلی تھی۔

سخت چہرہ...... نرم ہو چکا تھا۔

غضبناک آنکھیں...... جھک چکی تھیں۔

طاقت ور جسم...... کمزور اور نحیف ہو چکا تھا۔

غموں اور دکھوں نے اس کا سارا غرور توڑ دیا تھا۔

میں نے کہا: چچا جان! خوش آمدید۔

میں نے اس کے سر کو بوسہ دیا...... اور اسے مرحبا کہا۔

ہم مسجد کے ایک کونے میں چلے گئے۔

وہ زور زور سے رونے لگا۔

سبحان اللہ! میرا یہ خیال نہ تھا کہ یہ پہاڑ بھی کسی دن نرم پڑ جائے گا...... اور یہ بپھرا ہوا دریا بھی کسی دن خالی گڑھا بن جائے گا!!!

چچا جان! کیا بات ہے!! بتائیے کیسے آنا ہوا!

اور خالد کا کیا حال ہے! (میں نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی)

خالد!!

یوں لگا جیسے میں نے اس کی دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیا ہو...... اور اس کے دل میں خنجر گھونپ دیا ہو۔

اس نے بڑی گہری آہ بھری اور کہا:

میرے بیٹے! خالد اب وہ خالد نہیں رہا جسے آپ جانتے تھے۔

خالد اس طرح نیک اور شریف الطبع نہیں رہا۔

جب سے وہ تمہارے پاس سے گیا اس وقت سے فسادات کی راہ میں کھو گیا ابھی وہ کھیلنے کودنے کی عمر میں تھا کہ اس نے سگریٹ پینا شروع کر دی۔

میں نے اسے لعن طعن کی اور اسے مارا۔

لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

اس کے کان گالی گلوچ، اور جسم مار کا عادی ہو چکا تھا۔

وہ تو بہت جلد جوان ہو گیا تھا۔

وہ رات گئے تک غلط مجلسوں میں بیٹھنے لگا..... اکثر صبح کی پو پھوٹنے کے ساتھ گھر واپس پلٹتا اور سارا دن سویا رہتا۔

غیر حاضریوں کے باعث سکول سے اس کا نام خارج ہو گیا۔

ہمارے پاس بہت کم رہنے لگا۔

اس کی باتیں اور عادتیں پہلے والی نہ رہیں۔

اور اس کا چہرہ پہلے والا نہ رہا۔

زبان سے ہر وقت بکواس بکتا ہے ..... اور ہاتھوں کو حرکت میں رکھتا ہے۔ اس کی صحت بگڑ چکی ہے۔

چہرے کی سفیدی سیاہی سے بدل چکی ہے۔

چہرے سے نور ختم ہو گیا ہے۔

شرمیلی آنکھیں سرخ ہو چکی ہیں اور ان سے شرم و حیاء جاتی رہی۔

یوں لگتا ہے جیسے مرنے سے پہلے ہی شراب نے اس کی آنکھوں میں اس کی عاقبت ظاہر کر دی ہو۔

نرم دل پتھر کی طرح سخت ہو گیا۔

وہ جوان ہوتا گیا اور میں بوڑھا۔

وہ طاقت ور ہوتا گیا اور میں کمزور۔

اس نے مجھ سے بدتمیزی شروع کر دی ہے ...... اور مجھ پر ہاتھ اٹھانا شروع کر دیا۔ اب مجھے روزانہ گالیاں دیتا اور مارتا ہے۔ تصور کریں بیٹا! میں اس کا باپ ہوں پھر بھی وہ مجھے مارتا ہے۔ اس نے دوبارہ رونا شروع کر دیا۔

کچھ دیر بعد آنسو صاف کر کے دوبارہ بولا۔

سلیمان بیٹا! میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ خالد سے ملیں اور اسے اپنے ساتھ لے آئیں ..... میرے گھر کے دروازے تمہارے لیے ہر وقت کھلے ہیں ..... آپ اس سے ملیں ..... میں ہر چیز کی اجازت دیتا ہوں ..... میں کبھی اسے ملنے سے منع نہیں کروں گا۔

وہ آپ سے محبت کرتا ہے ...... اسے حفظ میں داخل کر لو۔

وہ تمہارے ساتھ سیر و سیاحت کو جائے ..... میں کبھی رکاوٹ نہیں ڈالوں گا۔

بلکہ میں اس پر بخوشی راضی ہوں کہ وہ تمہارے پاس ٹھہرے۔

تمہارے ساتھ زندگی بسر کرے اور تمہارے ساتھ اٹھے بیٹھے۔

میں ہر چیز آپ کے لیے حاضر کرنے کے لیے تیار ہوں۔

آپ کو میرے سارے مال (و دولت) میں تصرف کی کھلی اجازت ہے۔

لیکن اہم کام یہ ہے کہ خالد اسی طرح بن جائے جیسے وہ پہلے تھا۔

میرے بیٹے سلیمان! مجھے آپ سے امید ہے کہ آپ اس سے ضرور ملیں گے اگر آپ اسے راہ راست پہ لے آئیں تو میں آپ کے لیے چشم براہ ہوں گا اور آپ کے ہاتھوں کو چوموں گا اور زندگی بھر آپ کا ممنون رہوں گا۔

یہ کام صرف آپ کر سکتے ہیں ...... کیونکہ وہ آپ سے محبت کرتا تھا۔

(اس کے بعد اس نے بچوں کی طرح بلک بلک کر رونا شروع کر دیا)

میں نے کہا چچا جان ! یہ سارا قصہ ختم کریں، میں ان شاء اللہ اسے سمجھانے کی بھرپور کوشش کروں گا۔

لیکن !

یہ سب آپ کے ہاتھوں کی کمائی ہے جو سامنے آ رہی ہے۔

یہ آپ کی بوئی ہوئی کھیتی ہے جس کا یہ پھل ہے۔

البتہ کیسا کڑوا پھل؟[1]

---

[1] نئی زندگی کے تابناک لمحات ص ۵۳ تا ۶۴۔

کفر چھوڑنے کے عوض دخولِ جنت

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ لوگوں نے مجھے بتایا کہ عمرو بن ثابت نامی آدمی نے ایک نماز بھی نہیں پڑھی پھر بھی جنت میں داخل ہوا۔ ابن اسحاق سے روایت ہے کہ حصین بن محمد نے محمود بن لبید سے کہا: یہ واقعہ کس طرح ہے ذرا بیان کریں۔ انہوں نے بیان کیا کہ یہ عمرو بن ثابت' اسلام قبول کرنے سے انکاری تھا۔ جنگ احد کے دن اس پر دین حق عیاں ہو چکا تھا۔ اس نے تلوار لی' قوم کے پاس آیا اور لوگوں کے وسط میں گھس گیا اور پر جوش لڑنا شروع کر دیا' یہاں تک کہ زخمی ہو گیا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے اسے معرکہ میں موجود پا کر کہا: "کس لیے آئے ہو؟" (اپنی قوم کی محبت میں سرشار ہو کر یا اسلام کا طلبگار بن کر۔" کہنے لگا: "میں اسلام میں رغبت رکھتے ہوئے میدان میں اترا ہوں' اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں لڑائی لڑی ہے یہاں تک کہ میں زخموں سے چور چور ہوا ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یہ جنت کے بہار آفریں مکینوں میں سے ہے۔ ایک روایت میں ہے بعد ازاں یہ فوت ہوا تو جنت میں داخل ہوا اور حیران کن بات یہ ہے کہ ایک بھی نماز نہ پڑھی تھی۔[1]

ایک اور سند سے یوں وارد ہے۔ امام زہری اور عروہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں۔ ایک

---

[1] سیرة ابن ہشام (۲/۹۰)۔ مسند احمد (۵/۴۲۸-۴۲۹) واللفظ لهما ابوداؤد۔ کتاب الجهاد: باب فیمن یسلم و یقتل مکانه فی سبیل اللّٰه (ح ۲۵۳۷) واصلح فی البخاری۔ کتاب الجهاد: باب عمل صالح قبل القتال (ح ۲۸۰۸)

جنتی سیاہ رنگت کا غلام اہل خیبر میں سے آیا' جو اپنے آقا کی بکریاں چرا رہا تھا۔ اس نے اہل خیبر سے دریافت کیا کہ ہتھیار بند کس لیے ہو رہے ہیں؟ کیا ارادہ ہے۔" انھوں نے جواب دیا: "ہم اس آدمی کے ساتھ معرکہ آرائی کرنا چاہتے ہیں جو بزعم خویش نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔" نبی ﷺ کا ذکر مبارک اس کے نہاں خانۂ دل کے ہر گوشے میں اتر گیا کہ بکریوں سمیت رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا' اور عرض پرداز ہوا: "آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟" آپ نے فرمایا: "میں تجھے اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں' کہ تو گواہی دے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں' اور تم صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔" غلام نے عرض کی: "مجھے کیا ملے گا' اگر میں یہ گواہی دوں' اور اللہ کے ساتھ ایمان لے آؤں؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اگر تو اسی شہادت پر مرے گا تو تجھے جنت جیسی متاع گرانمایہ حاصل ہو گی۔" تو وہ غلام دائرۂ اسلام میں داخل ہو گیا۔ کہنے لگا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ بکریاں میرے پاس بطور امانت ہیں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان بکریوں کو ہمارے لشکر سے باہر نکال کر ان کو کنکریاں مار کر بھگا دو' اللہ تعالیٰ تیری طرف سے تیری امانت ادا کر دے گا۔" اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ بکریاں اپنے مالک کے پاس چلی گئیں' یہودی جان گیا کہ اس کا غلام اسلام لا چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو وعظ و نصیحت سے سامعہ نواز کیا۔ ہدایات دیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا تھمایا' اب یہ چل پڑے۔ خیبر کے قلعے کے قریب پہنچ گئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مرحب بہادر کو قتل کیا۔ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں جو شہید ہوئے وہ غلام بھی انہی میں سے تھا۔ مسلمان اسے اپنے لشکر میں اٹھا لائے اور خیمے میں رکھ دیا۔ ان کو یقین تھا کہ رسول اللہ ﷺ خیمہ میں جھانکیں گے۔ آپؐ نے جھانکا پھر اپنے ساتھیوں کی جانب رخ انور کر کے فرمایا:

"اس غلام کو اللہ نے سرخرو کیا ہے اور خیر کی طرف اسے کھینچ لایا ہے۔ اسلام حقیقی طور پر اس کے دل میں گھر کر گیا تھا' میں نے اس کے سرہانے

دو حوریں دیکھی ہیں۔" [1]

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ یہ واقعہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی زبانی بیان کیا ہے کہ ہم غزوۂ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک لشکر روانہ ہوا انہوں نے ایک انسان کو گرفتار کر لیا جو بکریاں چرا رہا تھا۔ پھر اسی سیاہ غلام والا واقعہ بیان کیا ہے۔ اس میں بیہقی نے روایت کیا ہے۔ اس نے ایک سجدہ بھی نہیں کیا پھر بھی وہ شہید ہے۔ [2]

---

[1] سیرة ابن هشام (۲/۳۴۴-۳۴۵)۔ البداية والنهاية (۴/۱۹۰-۱۹۱)

[2] البداية والنهاية (۴/۱۹۱) دلائل النبوة (۴/۲۱۹- ۲۲۰) و سنده ضعيف مستدرك حاكم (۲/۱۳۶)

چوری چھوڑنے کا صلہ

دمشق میں ایک بہت بڑی مسجد تھی' جس کا نام جامع مسجد توبہ تھا' ایک بڑی مبارک جامع مسجد تھی' اس کے در و دیوار سے انس و جمال جھلکتا تھا۔ اس میں شیخ سلیم سوطی تقریباً ستر سال سے تربیت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھے۔ یہ ایک عالم باعمل تھے۔ اپنے فقر میں' خودداری میں اور عزت نفس' اور دوسروں کے کام آنے میں ضرب المثل تھے۔

وہ ایک مسجد کے کمرہ میں رہتے تھے۔ دو دن گزر گئے تھے کچھ کھایا نہ تھا۔ اور نہ کچھ پاس تھا کہ خرید کر کھانا کھا سکیں۔ جب تیسرا دن ہوا تو انہیں احساس ہوا گویا کہ میں موت کی آغوش میں اتر رہا ہوں۔ غور و فکر کرنے لگے کہ کیا کروں۔ انہوں نے یقین کر لیا کہ وہ اضطرار کی اس حالت تک پہنچ چکے ہیں جس میں ان کے لیے مردار کھانا' یا چوری کرنا بقدر حاجت جائز ہو چکا ہے۔ اور اس بات کو ترجیح دی کہ وہ اپنی کمر سیدھی کرنے کے لیے کھانے کی کوئی چیز چوری کر لیں۔ اس حالت میں یہی ہو سکتا تھا۔ مسجد کی اوپر والی سطح ایک گھر کے ساتھ متصل تھی' آدمی مسجد کی چھت پر سے گزر کر اس گھر میں پہنچ سکتا تھا۔

وہ مسجد کی چھت پر چڑھ گئے' اور اس گھر میں منتقل ہو گئے جو قریب ہی تھا۔ وہاں کچھ عورتوں کو دیکھا ان سے دور ہٹ گئے اور نظر کو پست کر لیا۔ اور اس نے اردگرد نظر ڈالی تو دیکھا اس کی جانب ایک گھر خالی پڑا ہے۔ اور سونگھا تو کسی چیز کے پکنے کی خوشبو فضا میں اٹھ رہی ہے۔ بھوک کی وجہ سے جو انہوں نے سونگھا تھا وہ چیز گویا مقناطیس بن کر کشش پیدا کر رہی تھی۔ گھر ایک ہی گھر کی مانند تھے۔ انہوں نے چھت سے دو جستیں لگائیں' گھر کی برجی یا کنگرے کی جانب سے ہوتے ہوئے گھر

میں اتر گئے اور جلدی جلدی باورچی خانے کے اندر پہنچے اور ہنڈیا کا ڈھکنا کھولا' دیکھا تو اس میں بینگن بھرے ہوئے تھے۔ انہوں نے ایک بینگن لیا' بھوک کی وجہ سے اس افراتفری کے عالم میں انہوں نے یہ بھی پروا نہ کی کہ یہ گرم ہے۔ اسے کاٹا مگر اس کا حلق سے نیچے اترنا مشکل ہو رہا تھا' تاہم ان کے عقل و دین نے عود کیا' وہ اپنے دل میں کہنے لگے:

اللہ کی پناہ! میں ایک طالب علم ہوں' مسجد میں مقیم ہوں' پھر میں نازیبا حرکات کرتے ہوئے گھروں کو پھلانگتا پھرتا ہوں۔" اور چوری کے لیے گھستا پھرتا ہوں یہ فعل ان پہ بہت گراں گزرا' نادم ہوئے' استغفار کرنے لگے' اور بینگن اسی جگہ پر رکھ دیا اور اپنی جگہ پر لوٹ آئے' مسجد میں اتر آئے اور حلقہ شیخ میں آ کر بیٹھ گئے۔ وہ بھوک سے اس قدر نڈھال تھے کہ جو وہ سبق سن رہے تھے۔ وہ اسے سمجھ نہ پا رہے تھے' جب سلسلہ درس ختم ہوا لوگ واپس چلے' ایک پردہ میں لپٹی ہوئی عورت آئی' اور اس زمانہ میں عورتیں بے حجاب نہ ہوا کرتی تھیں۔ اس نے شیخ سے آہستہ بات چیت کی جو کہ یہ چوری بینگن کھانے والا سن نہ سکے۔ شیخ نے اردگرد مڑ کر دیکھا' ان کے سوا کوئی اور نظر نہ آیا۔ انہیں بلایا اور کہا: کیا آپ شادی شدہ ہیں؟" طالب علم نے کہا: "نہیں" شیخ نے کہا: "شادی کرنا چاہتے ہو؟" طالب علم خاموش رہا۔ شیخ نے یہی سوال دوبارہ دہرایا۔ طالب علم نے کہا: "جناب شیخ صاحب! میرے پاس تو ایک روٹی کی بھی گنجائش نہیں۔ میں کس طرح شادی کر سکتا ہوں۔" شیخ نے کہا: "یہ عورت مجھے بتا رہی ہے کہ اس کا خاوند فوت ہو چکا ہے۔ اور یہ اس شہر میں اجنبی ہے۔ اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں' صرف ایک بوڑھا چچا ہے' جو کہ فقیر ہے' وہ اسے ساتھ لے کر آئی ہے' اس کی طرف اشارہ بھی کیا' جو حلقہ کے ایک ستون میں بیٹھا ہوا تھا' یہ عورت اپنے خاوند کے گھر' اور کاروبار کی اکیلی وارث ہے' اس کی خواہش ہے کہ کوئی ایسا آدمی ہو جو اس سے شادی کر لے' تاکہ یہ تنہا نہ رہ جائے کہ کوئی ترنوالہ سمجھ کر لالچ نہ کرے۔ کیا آپ کا ارادہ ہے کہ اس سے شادی کریں؟" طالب

علم نے کہا: "جی ہاں" شیخ نے اس عورت سے پوچھا: "کیا آپ اسے بطور خاوند قبول کر لیں گی؟" اس نے بھی کہا: "ہاں جی" تو شیخ نے اس کے چچا کو بلایا اور دو گواہ منگوائے اور اس سے عقد نکاح باندھ دیا۔ شاگرد کی جانب سے حق مہر خود استاد نے ادا کر دیا۔ اور کہا: "اپنی بیوی کا ہاتھ تھام لو۔" اس نے اس عورت کا ہاتھ تھام لیا' وہ اسے اپنے گھر تک لے گئی۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو اس عورت نے اپنے چہرے سے نقاب الٹا تو طالب علم کے سامنے شباب و جمال کا پیکر پھر گیا۔ اور گھر وہی گھر تھا جس میں وہ چوری کی نیت سے گھسا تھا۔ بیوی نے سوال کیا: "کچھ کھائیں گے؟" اس نے کہا: "ہاں" اس عورت نے جب ہنڈیا کا ڈھکنا اٹھایا تو دیکھا کہ بینگن کسی نے کاٹ کر چھوڑ دیا ہے۔ بہت حیران ہو کر کہنے لگی: "اس شخص پر بہت تعجب ہو رہا ہے جو گھر میں گھس آیا تھا اور بینگن کو کاٹ کر پھر چھوڑ گیا ہے۔" وہ آدمی آبدیدہ ہو گیا اور بیوی کو پوری داستان سنائی۔ بیوی کہنے لگی: "یہ امانت داری ہی کا نتیجہ ہے تو نے دامن گناہ سے بچاتے ہوئے حرام بینگن چھوڑ دیا تھا' تو اس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے تجھے سارا گھر ہی دے دیا اور حلال بیوی دے دی ہے۔ اور جو کوئی اللہ کی رضا کی خاطر حرام چیز کو چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر بدلہ دیتے ہیں۔ (علامہ طنطاوی نے یہ واقعہ بیان کیا ہے۔)

خیانت ترک کرنے کا انعام

قاضی ابوبکر محمد بن عبدالباقی کہتے ہیں کہ میں مکہ مکرمہ میں اللہ اس کی نگہبانی فرمائے' مکہ کے پڑوس میں رہتا تھا۔ مجھے ایک دن سخت بھوک لگی۔ مجھے کوئی چیز میسر نہ آ سکی کہ میں بھوک دور کر سکوں۔ میں نے ایک ریشم کی تھیلی پائی جو ریشم ہی کے پھندنے کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ میں نے وہ پکڑ لی اور اسے اپنے گھر لے آیا۔ جب میں نے اُسے کھولا تو میں نے اس میں ایک موتیوں کی مالا پائی۔ میں نے اس جیسی مالا کبھی دیکھی نہ تھی۔ جب میں باہر آیا تو ایک شیخ کو میں نے پایا کہ وہ اس کی گمشدگی کا اعلان کر رہا ہے اور اس کے پاس ایک رومال تھا جس میں پانچ سو دینار تھے اور وہ یہ کہہ رہا تھا: "یہ پانچ سو دینار اسے دوں گا جو ہماری وہ تھیلی واپس دے گا جس میں موتیوں کی مالا ہے۔" میں نے کہا: "میں ضرورت مند بھی ہوں اور بھوکا بھی' میں یہ سونا لے لیتا ہوں جو میرے لیے مفید ہے۔ میں نے تھیلی کو کیا کرنا ہے۔ وہ واپس کر آتا ہوں۔

میں نے اس سے کہا: "میرے ساتھ چلیں۔" میں نے اُسے ساتھ لے لیا۔ اور اپنے گھر لے آیا۔ اس نے مجھے تھیلی کی نشانی بتائی اور پھندنے کی نشانی بتائی اور موتی کی نشانی بتائی اور ان کی تعداد بھی بتائی' اور وہ دھاگا بھی بتا دیا جس کے ساتھ وہ باندھی گئی تھی۔ میں نے وہ نکال کر اسے تھما دی۔ اس نے مجھے پانچ سو دینار دینا چاہے' جو کہ میں نے نہ لئے۔ میں نے کہا "میرا فرض تھا کہ میں اسے واپس کرتا' میں اس کا صلہ نہیں لینا چاہتا' اس نے مجھ سے کہا "یہ تو ضرور لینا ہوں گے۔" اور پھر اس نے بہت ہی اصرار کیا' مگر میں نے اسے قبول نہ کیا۔ وہ مجھے اسی حال میں چھوڑ کر چل دیا۔

بعد میں میرے ساتھ کیا ہوا' میں مکہ مکرمہ سے نکلا' سمندر میں داخل ہوا' (سفر شروع کیا) کشتی ٹوٹ گئی' لوگ غرق ہونے لگے' ان کے مال تباہ ہونے لگے' میں نے کشتی کے ایک ٹکڑے پر خود کو سوار کر دیا' کچھ مدت سمندر میں رہا' مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔

تو میں ایک جزیرہ میں پہنچا' اس میں لوگ آباد تھے' میں ایک مسجد میں بیٹھ گیا' انہوں نے میری قراءت سنی' اس جزیرہ میں کوئی ایسا نہ تھا جو نہ آیا ہو سب آئے۔ اور کہنے لگے: "ہمیں قرآن سکھاؤ۔" مجھے ان لوگوں سے وافر مقدار میں مال حاصل ہوا۔ پھر میں نے اس مسجد میں قرآن پاک کے چند اوراق پڑے ہوئے دیکھے' ان کو میں نے لے لیا اور انہیں پڑھنا شروع کر دیا' مجھے لوگوں نے کہا: "کیا آپ اچھی لکھائی کر لیتے ہیں؟" میں نے کہا: "ہاں" تو وہ کہنے لگے: "ہمیں لکھنا سکھا دو۔" یہ کہہ کر وہ چھوٹے بچے' نوجوان سب کو لے آئے' تو میں نے انہیں رسم الخط کا طریقہ بتایا۔ مجھے اس سے بھی بہت کچھ ملا' وہ کہنے لگا کہ "ہمارے ہاں ایک یتیم بچی ہے' جو دنیاوی دولت رکھتی ہے۔ اگر آپ اس سے شادی کرنا چاہیں تو بتا دیں۔" میں نے انکار کر دیا' تو انہوں نے اصرار کیا کہ یہ آپ کو ضرور کرنا پڑے گا۔ تو تب میں نے ان کی دعوت ازدواج قبول کر لی۔ شادی ہو گئی تو جب انہوں نے میرے ہاں اس کو رخصت کر کے بھیجا تو میں نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو بالکل اسی طرح کا ہار اس کے زیب گلو بنا ہوا تھا۔ اس وقت میں ہر چیز سے بے خبر ہو کر اسی مالا کو دیکھنے کے لیے محو تماشا تھا' لوگوں کو جب علم ہوا تو کہنے لگے: "اے شیخ! آپ تو یہ مالا ہی دیکھتے رہے ہیں آپ نے اس یتیم بچی کو قابل توجہ نہیں سمجھا' اس طرح تو آپ نے اس کی دل شکنی کی ہے۔" تو میں نے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا جو مکہ میں پیش آیا تھا' انہوں نے تو لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے نعروں سے فضا میں گونج بپا کر دی' یہاں تک کہ تمام اہل جزیرہ کو پتہ چل گیا۔ میں نے کہا: "یہ ہار تم تک کیسے پہنچا؟" وہ جس شیخ نے یہ ہار تجھ سے لیا تھا وہ اس بچی کا باپ تھا' وہ یہ کہا کرتا تھا "میں نے دنیا میں اگر کوئی صحیح

مسلمان پایا ہے تو اس شخص کو پایا ہے جس نے میرا یہ ہار واپس کیا ہے۔ اور وہ یہ دعا کیا کرتا تھا کہ اے میرے اللہ مجھے اور اس ہار دینے والے کو یکجا کر دے' تاکہ اس سے اپنی بیٹی کا رشتہ کر دوں۔" اب وہ دعا حقیقت کا روپ دھار چکی تھی۔ وہ بیوی میں نے حاصل کر لی' اس کے ساتھ میں ایک مدت تک رہا' اس میں سے مجھے اللہ پاک نے دو بیٹے بھی نصیب کیے۔

بعد میں میری بیوی فوت ہو گئی' میں اور میرے دو بیٹے اس ہار کے وارث بنے۔ پھر وہ میرے بیٹے بھی راہئی ملک عدم ہو گئے تو اس ہار کا میں تنہا مالک بن گیا۔ تو میں نے اسے ایک لاکھ دینار کا فروخت کیا۔ یہ مال جو تمہیں نظر آ رہا ہے یہ اسی مال کا بقیہ حصہ ہے۔[1]

---

[1] انیس الجلوس جزء اول۔

دیانت داری کا انعام

(حرام کے ایک دینار سے بچا اللہ نے حلال کے ہزار دینار دے دیئے)

یہ سنہ ۲۴۰ھ کا واقعہ ہے کہ رمضان المبارک کے پہلے دن فجر کی اذان حرم کے میناروں سے بلند ہو کر جبل ابو قبیس اور قیقعان کی چوٹیوں کو چھوتی ہوئی باد نسیم کے جھونکوں کے ساتھ ساتھ کعبۃ اللہ کے پردوں سے لپٹ رہی تھی اور اللہ کے مخلص بندوں کے دلوں پر تجلیات کی بارش برسا رہی تھی۔ کعبۃ اللہ کے گرد مومنوں کی صفیں نماز کے لیے درست ہو رہی تھیں۔ ان خوش نصیبوں کی آنکھیں براہ راست بیت اللہ کے جمال سے منور ہو رہی تھیں۔ جبکہ دیگر نمازیوں کی صفیں بیت اللہ شریف کی طرف متوجہ تو تھیں لیکن مسافت کی وجہ سے دل کی آنکھوں سے دیدار کر رہی تھیں اور نمازیوں کی یہ صفیں بلند و بالا پہاڑوں اور سمندری جزیروں' شہروں اور بستیوں' صحراؤں اور وادیوں' کہساروں کی چوٹیوں اور میدانوں' محلات اور جھونپڑیوں' قید خانوں اور غاروں' لق و دق ریگستانوں اور برفانی پہاڑوں کے پیچھے کھڑی تھیں اور اس وقت تک مسلسل کھڑی رہیں گی جب تک اس خطہ ارضی پر مسلمان آباد رہیں گے۔

اہل مکہ اذان سن کر بیت اللہ کی طرف چل پڑے اور چھیاسی سالہ بزرگ کے سوا شاید ہی کوئی گھر میں بیٹھا رہ گیا ہو۔ انہوں نے نماز تو شروع کر دی لیکن شیریں اور ترش' سرد اور گرم' خشک اور تر اور انواع و اقسام کے عمدہ کھانوں سے پیٹ بھرنے کی وجہ سے کھڑے نہیں ہو سکتے تھے۔

ادھر یہ بزرگ بھوک کی وجہ سے نماز میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس بے چارے نے کچھ کھائے پیئے بغیر روزہ رکھ لیا تھا۔ اس کی گذشتہ رات بھی فاقہ سے گزری تھی

اور دن بھی بھوک پیاس سے گزرا تھا۔ جب اس نے نماز مکمل کر لی تو ایک کونے میں شکستہ دل اور غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ بذات خود تو اسے اتنا دکھ نہ تھا کیونکہ عرصہ دراز کی تنگ دستی نے اسے مصائب برداشت کرنے کا خوگر بنا دیا تھا۔ اسے کوئی غم کھائے جا رہا تھا جو بھوکی ننگی چار بیٹیوں' دو بہنوں ایک بوڑھی ساس اور مسکین بیوی کا غم تھا۔ جن کا یہ واحد کفیل اور ذمہ دار تھا۔

اگر اس کی جگہ کوئی دوسرا آدمی ہوتا تو مالداروں ی شاہ خرچیوں کو دیکھ کر دنیا کو للچاتا اور لوگوں پر حسد کرتا ...... لیکن یہ بوڑھا بزرگ ایک مثالی مؤمن تھا۔ اس بات پر پختہ یقین رکھتا تھا کہ اللہ رب کائنات نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے رزق تقسیم کر رکھا ہے۔ کسی کا اس میں کچھ اختیار نہیں۔ لوگ نہ رزق دے سکتے ہیں اور نہ روک سکتے ہیں اور جو کچھ میرے مقدر میں ہے وہ مل کر ہی رہے گا۔ اگرچہ میں کمزور ہی سہی اور جو کچھ دوسروں کے مقدر میں ہے وہ مجھے ہرگز نہیں مل سکتا۔ اگرچہ لاکھ جتن کر لوں کیونکہ تقدیر کا قلم لکھ کر فارغ ہو چکا ہے۔ اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور کہا الحمدللہ علٰی کل حال۔ (میں ہر حال میں اللہ کریم کا شکر ادا کرتا ہوں)

کھڑا ہوا اور قمیص اتار کر پکارا: "لبابہ"

یہ سن کر ایک عورت آئی جس کا تن پیوند لگے ہوئے میلے کچیلے کپڑوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس نے قمیص اتار کر اسے دے دی اور وہ کپڑا اپنے اوپر لپیٹ لیا۔

عورت نے کہا: ابو غیاث! آج تیسرا دن ہے ہم نے کھانا تک نہیں دیکھا اور یہ دن گرمی اور روزے کا ہے تو اور میں تو صبر کر لیں گے مگر یہ بچیاں اور بوڑھی عورت تو صبر سے قاصر ہے۔ انہیں بھوک نے نڈھال کر رکھا ہے۔ اللہ کا نام لے کر نکلو اور شاید اللہ کچھ درہم یا روٹی کے چند ٹکڑے دے دے جس سے ہم روزہ افطار کر سکیں۔

ابو غیاث: ان شاء اللہ ضرور جاؤں گا۔

آفتاب طلوع ہو کر ذرا بلند ہوا تو بوڑھا بزرگ گھر سے نکلا اور مکے کی گلیوں میں گھومنے پھرنے لگا کہ شاید کہیں مزدوری ہاتھ آجائے۔ تمام لوگ گرمی کی وجہ سے گھروں کو لوٹ چکے تھے۔ مزدوری تلاش کرتے ہوئے گرمی شدید تر ہوتی چلی گئی۔ اس کی ٹانگیں جواب دے گئیں اور آنکھیں پتھرا گئیں۔ گذشتہ رات اور دن کے فاقے نیز بغیر کھائے پیئے روزے کی وجہ سے پیٹ میں بھوک کی آگ لگی ہوئی تھی۔ یہ مکہ کی نشیبی وادی میں جاکر دیوار سے ٹیک لگاکر بیٹھ گیا۔ اس کی بڑی تمنا یہ تھی کہ اسے ایمان کی حالت میں موت آجائے تاکہ وہ اس قید حیات سے رہائی پا جائے اور ہمیشہ کی زندگانی سے فائدہ اٹھائے۔ وہ انہی سوچوں میں گم مٹی کرید رہا تھا کہ اچانک اس کا ہاتھ ایک نرم و ملائم چیز سے چھو گیا۔ اسے کچھ یوں محسوس ہوا کہ جیسے سانپ کی دم ہے۔ اس نے اعوذ باللہ پڑھی اور ہاتھ کھینچ لیا پھر دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش! یہ سانپ ڈس لے اور میں مصائب سے آزاد ہو جاؤں لیکن معاً خیال آیا کہ مؤمن کو چاہیے کہ یوں کہا کرے ((اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِي اِنْ كَانَتِ الْحَيَاةُ خَيْرًا اِلَيَّ وَ تَوَفَّنِي اِنْ كَانَتْ الْمَوْتُ خَيْرً لِي)) چنانچہ اس نے اللہ سے معافی مانگی اور دوبارہ اس چیز کو غور سے دیکھنے لگا۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ یہ بے حس و حرکت پڑی ہے۔ اسے پاؤں سے ٹھوکر بھی لگائی لیکن وہ چیز بے حس پڑی رہی۔ اس نے ہاتھ سے مٹی ہٹا کر اسے پکڑا تو وہ ہمیانی[1] نکلی جو سونے سے بھری ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر بھوک اور پیاس ختم ہو گئی اور اعصاب میں نئی قوت پیدا ہو گئی بلکہ جوانی لوٹ آئی۔ سوچنے لگا کہ میں کتنا خوش نصیب ہوں؟ یہ مال اپنے گھر والوں کے ہاتھوں میں تھماؤں گا تو وہ کس قدر خوش ہوں گے؟ حسین اور روشن مستقبل کی امید میں خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔

اچانک ایمانی حس بیدار ہوئی' دل میں القاء ہوا کہ یہ مال تیرا نہیں بلکہ لقطہ

---

[1] ہمیانی دراصل اس پٹی کو کہتے ہیں جس میں طلائی اشرفیاں (دینار) رکھ کر کمر سے باندھ لیا جاتا ہے۔

(گمشدہ) ہے۔ سال بھر اعلان کرنے کے بعد اس صورت میں حلال ہو گا جب اصل مالک نہ ملے۔ جب سال کی مدت اور اپنے رات کے کھانے کا تصور کیا تو قوئی جواب دے گئے "کہ سال بھر زندہ بھی رہوں گا یا نہیں؟ اور یہ بھوکی' ننگی بیٹیاں کیا کھائیں گی اور کیا پہنیں گی؟" خواہش پیدا ہوئی کہ تھیلی کو واپس اسی جگہ رکھ آئے اور آزمائش میں نہ پڑے لیکن دانا عالم مؤمن تھا' جانتا تھا کہ اگر گمشدہ مال کو دیکھ کر ہاتھ نہ لگایا جائے تو کوئی ذمہ داری نہیں۔ اگر اسے پکڑ کر دوبارہ رکھ دیا جائے تو ذمہ داری رکھنے والے پر ہو گی۔ اس قسم کے تفکرات دماغ میں ٹکرانے لگے۔ اسے محسوس ہوا کہ کنپٹی کی ہڈیاں چور ہو رہی ہیں۔ ایک طرف سے یہ خیال اٹھتا کہ دبا رکھو' اللہ کا دیا ہوا رزق ہے۔ اس کے ذریعے بھوکی ننگی بیوی اور بیٹیوں کا پیٹ بھرو اور ان کا تن ڈھانکو۔ اگر طاقت ہوئی تو بھر دے دینا ورنہ چند دینار کم بھی واپس کیے تو کیا فرق پڑے گا۔

دوسری طرف یہ خیال پیدا ہوتا کہ صبر کر اے بھلے آدمی! امانت میں خیانت کا ارتکاب نہ کر' قبر کے کنارے بیٹھ کر مالک کی نافرمانی کا سوچتا ہے۔ چنانچہ پھر وہ اصل مالک کے ملنے تک ہمیانی گھر رکھنے چلا گیا۔ چوروں کی طرح گھر میں داخل ہوا تو اس کی بیوی نے دیکھ لیا اور پوچھا:

ابو غیاث کیسے آئے ہو اور کیا لائے ہو؟

جواب دیا: کچھ نہیں!

بوڑھا بزرگ ہمیانی کی خبر چھپانا چاہتا تھا جبکہ اس نے آج تک بیوی سے کوئی خبر چھپائی نہ تھی۔ بیوی نے کہا: "واللہ! آپ کے پاس کچھ ضرور ہے لیکن یہ ہے کیا؟ بتا دو نا۔

بوڑھا بزرگ ڈرا کہ لبابہ کہیں کسی وہم میں مبتلا نہ ہو جائے۔ اسے سارا قصہ سنا دیا۔ وہ عورت دین دار ضرور تھی لیکن ابو غیاث کی طرح صبر اور حوصلے والی نہ تھی۔ کہنے لگی:

جاؤ اور کچھ خرید لاؤ کیونکہ ہم لاچار ہیں اور لاچار پر مردار بھی حلال ہے!

ابو غیاث نے کہا نہیں ہرگز نہیں۔ اگر تو نے اسے ہاتھ لگایا یا کسی کو خبر دی تو تجھے طلاق ہے۔

لبابہ خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گئی اور یہ اصل مالک کی تلاش میں گھر سے نکل پڑا تاکہ اصل مالک سے مل کر حلال طریقے سے کوئی درہم حاصل کر سکے۔ وہ حرم کی طرف چل دیا۔ حرم میں ایک نوجوان محمد بن جعفر طبری زیر تعلیم تھا۔ طبری بیان کرتا ہے کہ میں نے ایک خراسانی کو یہ اعلان کرتے ہوئے سنا:

اے حاجیوں کی جماعت! میری ہزار دینار سے بھری ہوئی تھیلی کہیں گم ہو گئی ہے جو کوئی اسے واپس کرے اللہ اسے دگنا ثواب دے گا۔

ایک بوڑھا بزرگ اٹھا جو جعفر بن محمد کے موالی میں سے تھا' کہنے لگا:

اے خراسان کے رہنے والے نوجوان! ہمارا ملک پسماندہ ہے۔ حالات ابتر ہیں۔ شاید آپ کی ہمیانی کسی اللہ کا خوف رکھنے والے انسان کو مل گئی ہو؟ آپ اس کے لیے انعام کا اعلان کر دیں۔ جسے لے کر وہ باقی واپس کر دے۔

نوجوان خراسانی نے پوچھا "ہاں بھئی کتنا انعام؟"

ابو الغیاث نے کہا سو دینار یعنی دسواں حصہ! نہ بھئی نہ۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں یہ معاملہ اللہ پر چھوڑتا ہوں۔ دونوں جدا ہو کر اپنی اپنی منزل پر چلے گئے۔

طبری کہتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ وہ ہمیانی ضرور اسی شیخ کو ملی ہو گی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ وہ بوڑھا ایک خستہ حال مکان میں داخل ہوا اور یوں گویا ہوا:

لبابہ کہاں ہے؟

لبابہ بولی: حاضر ہوں ..... حاضر ہوں ابو غیاث!

میں نے ایک شخص کو اس ہمیانی کی تلاش میں پھرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں نے اسے یہ بھی کہا کہ تو اس کے واپس کرنے والے کے لیے سو (۱۰۰) دینار انعام کا اعلان

کر دے لیکن وہ نہیں مانتا۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے؟ میرا ارادہ تو ہمیانی واپس کرنے کا ہے۔

لبابہ نے کہا: "ابو غیاث! ہمیں تیرے ساتھ پچاس سال فقر و فاقہ میں گزارنے پڑے ہیں۔ تیری چار بیٹیاں' دو بہنیں' ایک ساس اور آٹھویں میں ہوں۔ ابو غیاث اللہ بڑا مہربان ہے۔ اس کی شان اس امر سے بلند ہے کہ ایسے آدمی کو عذاب کرے جو ان کا واحد کفیل ہو۔ تو نے نہ تو چوری کی ہے نہ ڈاکہ ڈالا ہے۔ یہ مال تو اللہ نے تیرے سامنے رکھا ہے تو اسے کیوں ٹھکراتا ہے۔ کیا اللہ تجھ سے ان عورتوں کے متعلق سوال نہ کرے گا؟

طبری کہتے ہیں کہ: میں نے بوڑھے کے چہرے کو بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا دل ان بھوکی ننگی بیٹیوں اور مسکین ام لبابہ پر آنسو بہا رہا ہے کیونکہ فاقوں کی بدولت ان کا چمڑا ہڈیوں پر خشک ہو رہا تھا اور وہ دیمک خوردہ لکڑی کی طرح کھوکھلے بدن میں سانس لے رہی تھیں۔

اس کے دل میں آیا کہ کچھ دینار خرچ کر لوں لیکن فوراً یاد آیا کہ پچاس سال صبر سے گزار دیئے اور آج جبکہ قبر میں ٹانگیں لٹکی ہوئی ہیں تو پچاس سال کے صبر کو ایک دن کی لذت پر کیوں قربان کروں اور پھر اللہ تعالیٰ میرے اہل عیال پر ارحم الراحمین ہے' دل کو حوصلہ دے کر بولا:

میں ایسا نہیں کروں گا' چھیاسی سال بعد اپنی لاش کو قبر میں نہیں جلاؤں گا۔

طبری کہتے ہیں کہ اس کے بعد میاں بیوی خاموش ہو گئے اور میں واپس چلا گیا۔

مغرب کی اذان ہوئی تو بوڑھا بزرگ دن بھر کے کمائے ہوئے چند ٹکڑوں پر اہل و عیال سمیت افطار کرنے بیٹھ گیا۔ باقی لوگ انواع و اقسام کے عمدہ عمدہ کھانوں سے مزے لے رہے تھے اور اس بات کا ذرا احساس نہ تھا کہ رمضان المبارک ایثار اور سخاوت کا مہینہ ہے اور یہ کہ اللہ نے بھوکا پیاسا رکھنے کے لیے روزے فرض نہیں کیئے تھے بلکہ اس لیے کہ مسلمان وقتی اور اختیاری بھوک کے ذریعے محسوس کریں کہ

دنیا میں ایسے بھی ہیں جو بھوک پر مجبور ہیں۔ ان کی حالت پر غور کر کے اپنے اوپر اللہ کے بے پایاں احسان یاد کریں۔ جو لوگ عمدہ عمدہ کھانوں سے پیٹ بھر کر مست ہو جاتے ہیں اور ان کے ہمسائے بھوک سے سیدھے کھڑے بھی نہ ہو سکیں تو ایسے لوگوں کا کوئی ایمان اور کوئی روزہ قبول نہیں اور نہ ہی یہ لوگ روزے کی حقیقت سمجھ سکتے ہیں۔ فرمان رسول مَآ اٰمَنَ بِی مَنْ بَاتَ شُعبَانَ وَ جَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ وَ ھُوَ یَعْلَمُ

وہ آدمی مجھ پر ایمان نہیں لایا جس نے سیر ہو کر رات گزاری اور اس کا پڑوسی اس کے پڑوس میں بھوکا لیٹا رہا اور وہ اس کے فاقہ سے بے خبر بھی نہ تھا)

عادت احساس کو کمزور کر دیتی ہے جب انسان حیوانوں کی طرح بلاناغہ نعمتیں کھاتا رہے تو ایسے نعمتوں کی قدر نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ نے روزے اس لیے فرض کیے کہ محرومی کی کڑواہٹ سے امیری کی مٹھاس کی قدر کریں اور دن کی بھوک اور پیاس سے روٹی کے لقمے اور پانی کے گھونٹ کی قیمت معلوم کریں اور تمام عمر اللہ تعالیٰ کے احسان کو نہ بھولیں۔ اگرچہ وہ عام ہی کیوں نہ ہوں۔ ابراہیم حربی رحمۃ اللہ علیہ ہر روز روٹی کا ایک لقمہ بچا کر رکھتے اور ہفتے بعد خود وہ ٹکڑے کھا لیتے اور روٹی صدقہ کر دیتے تھے۔

بوڑھا شیخ یہی سوچتا رہا اور مسلمانوں کی حالت پر کڑھتا رہا پھر کہتا اللہ تعالیٰ ہی نیکی کا الہام کرنے والا اور روزی تقسیم کرنے والا ہے۔ اس نے یہ رات بھی فاقہ سے گزاری اور کھجوریں اور ٹکڑے بوڑھی ساس اور بچیوں میں تقسیم کر دیئے۔

طبری کہتے ہیں کہ اگلے دن خراسانی حرم میں پھر وہی صدا لگا رہا تھا کہ جو کوئی میری ہزار دینار والی ہمیانی واپس کر دے اللہ تعالیٰ اسے دگنا اجر دے گا۔ تو بوڑھا بزرگ اس کی خدمت میں عرض کرنے لگا کہ: ”اے نوجوان! میں نے تجھے کہا تھا کہ ہمارا ملک بے آب و گیاہ ہے' وسائل زندگی کم ہیں۔ شاید وہ ہمیانی کسی خوف الٰہی رکھنے والے کو مل جائے تو انعام کے لالچ میں واپس کر دے۔ چلو سو دینار نہ سہی تو دس دینار کا ہی اعلان کر دے۔“

اس نے کہا: "ہرگز نہیں بلکہ میرا اور ہمیانی اٹھانے والے کا فیصلہ قیامت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو گا۔" اس کے بعد دونوں پھر جدا ہو گئے۔

تیسرا دن ہوا تو خراسانی نوجوان پھر حرم میں وہی صدا لگا رہا تھا اور وہی بوڑھا بزرگ کھڑا ہوا اور کہنے لگا: "اے نوجوان! تو نے سو دینار کا اعلان کرنے سے انکار کر دیا پھر دس دینار کا انعام سے بھی انکار کر دیا تو آج ایک دینار کا ہی اعلان کر دے۔ شاید کہ ہمیانی اٹھانے والا اس حلال دینار کے لالچ میں واپس کر دے اور نصف دینار سے کھانا خرید لے اور نصف سے مشک خرید کر اس سے حاجیوں کو اجرت پر پانی پلایا کرے۔"

خراسانی نے کہا: "نہیں! بلکہ میں اس کام کا فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتا ہوں۔" بوڑھے بزرگ کی امید کا آخری سہارا بھی ختم ہو گیا اور سوچنے لگا کہ ابھی تو ہزار دینار ہاتھ میں ہے۔ سارا نہ سہی تو ایک دینار ہی رکھ لوں تاکہ بھوکے ننگے بیٹیوں کا سامان کر لوں لیکن دینی جذبہ موجزن ہوا اور یوم الحساب کے خیال سے ڈر گیا اور سوچا کہ پچاس سال کے صبر کو ایک دن کی لذت پر قربان کر دینا سراسر گھاٹا نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ تمام عمر کی لذتیں آخر کار جہنم کے ایک جھونکے سے بھول جائیں گی اور ساری عمر کی محرومیاں جنت کے ایک دیدار سے کافور ہو جائیں گی۔ حدیث میں آیا ہے کہ مَنْ تَرَكَ لِلّٰهِ شَيْئًا عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهُ یعنی جس نے اللہ کے ڈر سے کوئی ناجائز کام چھوڑ دیا ہو' اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے حلال چیز کئی گناہ زیادہ عطا کرے گا۔

اب ابوالغیاث نے خراسانی نوجوان سے کہا: "آؤ اور اپنی ہمیانی لے جاؤ۔ طبری کہتے ہیں کہ میں نے ان کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ جب دونوں گھر کے دروازے پر پہنچے تو شیخ اندر داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد باہر آیا اور خراسانی نوجوان کو اندر لے گیا۔ میں بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ شیخ نے اندر جا کر محفوظ جگہ سے ہمیانی نکالی اور نوجوان سے کہا: "کیا تیری ہمیانی یہی ہے؟"

نوجوان نے کہا: "ہاں۔"

پھر اس کا سر کھول کر دینار دامن میں پلٹے اور گنے تو پورے ہزار نکلے' پھر کہا "یہ تیرے ہیں۔"

لبابہ اور اس کی بیٹیاں یہ منظر دروازے کے سوراخ سے دیکھ رہی تھیں جیسے بھوکا دیگ کی طرف دیکھتا ہے اور صرف چند لقموں کی تمنا کرتا ہے۔

خراسانی نے وہ دینار کندھے پر رکھ کر اوپر چادر ڈال لی اور چل دیا۔

لبابہ نے یہ منظر دیکھا تو یوں چکرائی جیسے کسی عورت کا اکلوتا بیٹا گم ہو گیا ہو۔ اس کی بیٹیوں کی باچھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

چند لمحوں بعد شیخ نے آہٹ سنی تو نظر اٹھا کر دیکھا کہ نوجوان واپس لوٹ آیا ہے۔ اگر یہ بوڑھا بزرگ اس سے روگردانی کر لیتا تو یہ بڑی بات نہ تھی کیونکہ اس نے ان بھوکے ننگے مسکینوں کو دیکھ کر بھی ایک دینار نہ دیا تاکہ وہ اپنی بھوک دور کر سکیں۔ لیکن یہ بوڑھا بڑا بردبار اور حوصلے والا شخص تھا۔ فوراً بولا: "بتاؤ بیٹے! کیسے آنا ہوا؟"

خراسانی نوجوان نے جواب دیا:

"اے بزرگ! میرا باپ جب فوت ہوا تو اس کے پاس تین ہزار دینار تھے۔ اس نے مجھے وصیت کی تھی کہ میری سواری بیچ کر حج کا خرچ بنا لینا اور ہزار دینار اس شخص کو دینا جو بہت زیادہ غریب ہو۔ چنانچہ میں نے اپنے وطن خراسان سے لے کر مکہ تک کسی کو تجھ سے زیادہ غریب نہ پایا۔ یہ لو یہ دینار اللہ ان میں تمہارے لیے برکت کرے۔"

طبری کہتے ہیں کہ: وہ نوجوان ہمیانی رکھ کر واپس چلا گیا۔ یہ منظر دیکھنے کے بعد میں بھی جا رہا تھا کہ مجھے کسی نے پیچھے سے آواز دی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہی بزرگ میرے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ اس نے مجھے اپنی طرف بلا کر کہا کہ: "تجھے ہمارے معاملے کی خبر ہو گئی ہے اور میں نے احمد بن یونس یربوعی سے سنا اور انہوں نے نافع

سے ' انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ رسول مقبول ﷺ نے سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما سے کہا تھا کہ : "جب کوئی ہدیہ بن مانگے اور بلا طمع آئے تو اسے واپس نہ لوٹاؤ ورنہ اللہ کے ناشکرے بن جاؤ گے اور ہدیہ میں سب حاضرین شریک ہوتے ہیں۔ چلو میرے ساتھ چلو۔"

طبری کہتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ ہو لیا۔ اس بزرگ نے مجھے راستے میں کہا: "بھئی تو بڑا مبارک ہے۔ میں نے عمر بھر ایسا مال نہیں دیکھا تھا اور نہ دیکھنے کی امید تھی۔ تم میری یہ قمیص دیکھ رہے ہو۔ میں اس میں قیام اللیل کرتا ہوں پھر فجر کی نماز ادا کر کے اتار دیتا ہوں تاکہ میری بیوی اور بچیاں اور بہنیں باری باری اس میں نماز ادا کر سکیں۔ پھر میں پہن کر ظہر اور عصر کے درمیان مزدوری کر کے چند کھجوریں اور روٹی کے ٹکڑے خرید کر گھر لوٹتا ہوں۔

جب ہم گھر پہنچے تو بزرگ نے بلند آواز سے پکارا :

لبابہ اور فلاں فلاں !

اس بزرگ کی آواز سن کر سب اکٹھی ہو گئیں۔ اس نے مجھے بائیں جانب بٹھا لیا اور ہم سب سے کہا : "اپنے اپنے دامن پھیلاؤ۔" چنانچہ میں نے تو دامن پھیلا دیا لیکن باقی سب نے ہاتھ پھیلائے کیونکہ ان کے پاس قمیصیں نہ تھیں۔ وہ ایک ایک دینار ہر ایک کے ہاتھ پر رکھتا جاتا اور دسواں دینار مجھے دیتا۔ حتیٰ کہ ہمیانی خالی ہو گئی اور ہم سب کو سو سو دینار ملے۔

مغرب کی اذان ہوئی تو اس بزرگ کے اہل خانہ بھی عمدہ عمدہ کھانوں کے ارد گرد بیٹھ گئے۔ بوڑھے بزرگ نے اپنی بیوی لبابہ سے کہا :

"لبابہ ! دیکھ لیا تو نے اللہ صبر کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ ہم نے اپنے آپ کو حرام کے ایک دینار سے بچایا تو اللہ تعالیٰ نے ہم کو حلال ذریعے سے ہزار دینار عطا کیے۔"

یہ بزرگ چند لقمے کھا کر اٹھ کھڑا ہوا اور باہر جانے لگا تو لبابہ نے کہا ! کہاں جا

رہے ہو ابو غیاث؟

"میں کسی فقیر روزے دار کو تلاش کرنے جا رہا ہوں تاکہ اسے اپنے کھانے میں شریک کروں۔"

طبری کہتے ہیں: مجھے اللہ تعالیٰ نے ان دیناروں سے بڑا نفع دیا۔ ان دیناروں سے میں اپنی خوراک حاصل کرتا رہا۔ سولہ سال بعد مکہ آیا تو معلوم ہوا کہ وہ لڑکیاں شہزادوں سے بیاہ دی گئی ہیں اور شیخ چند ماہ بعد فوت ہو گیا تھا۔ میں ان کے خاوندوں اور بچوں کے پاس جاتا اور انہیں ہمیانی والا قصہ سناتا اور وہ بڑی دلچسپی سے سنتے اور میری بڑی عزت کرتے۔ پھر چالیس سال بعد پتہ چلا کہ ان میں سے اب کوئی بھی زندہ نہیں ہے۔ رہے نام اللہ کا۔[1]

اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے، آمین۔

---

[1] دلچسپ تاریخی کہانیاں از ابو مسعود عبدالجبار سلفی۔

جھوٹ چھوڑنے کا انعام

اہل یورپ کا ایک آدمی مسلمان ہو گیا اور اسلام کا حسین رنگ اس پہ غالب تھا۔ اپنے افعال و کردار کا سچا تھا' اور یہی اس کی تڑپ تھی کہ میں اسلام کا اعلان و اظہار کروں۔ تاکہ کفار کے مقابلہ میں غالب آ سکوں۔ اظہار حقیقت میں اسے شرمندگی' حیاء اور ڈگمگاہٹ ذرا برابر لاحق نہ ہوتی تھی' اگر کوئی بھی صورت نہ ہوتی وہ پھر بھی تبلیغ اسلام کا مناسب موقعہ فراہم کر لیتا تھا' وہ اس قدر حریص تھا۔ یہ کہتا ہے:

کافر حکومت کی ایک کمپنی نے کسی شعبہ میں (Vocancy) ایک خالی آسامی کا اعلان کیا کہ اس میں ہمیں ملازم کی ضرورت ہے۔ یہ مسلمان جو اپنے اسلام کو فخریہ انداز پر پیش کرتا تھا۔ اس نے بھی درخواست پیش کر دی' ظاہر ہے اب شخصی مقابلہ کھڑا ہو گیا اور اس کام پر رغبت و ریس کا میدان لگ گیا۔ جب مقابلہ شروع ہوا تو اس کمپنی کی ایک خاص کمیٹی نے اس سے چند سوالات کیے۔ جن میں سے ایک یہ تھا کہ "کیا آپ شراب نوشی کرتے ہیں؟" اس نے جواب دیا: "نہیں میں شراب نہیں پیتا کیونکہ میں مسلمان ہوں اور میرا دین مجھے بلا نوشی سے وابستگی کی اجازت نہیں دیتا۔" کمیٹی نے کہا: "کیا آپ کی گرل فرینڈ ہیں یعنی دوست عورتیں رکھی ہوئی ہیں؟" اس نے کہا: "نہیں کیونکہ میں مسلمان ہوں' جس دین سے میں نسبت رکھتا ہوں' وہ اس کام کی مجھے اجازت نہیں دیتا' اور اللہ عز و جل کی شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ میں صرف اپنی اس بیوی کے ساتھ ہی وابستہ رہوں جس سے میرا نکاح ہوا ہے۔" یہ جوابات دے کر وہ باہر چلا گیا' وہ اپنے اس انٹرویو میں دیئے گئے جوابات میں کامیابی سے ایک قسم کا مایوس جا رہا تھا۔ لیکن نتیجہ حیران کن تھا' تمام انٹرویو دینے والے' جو بے شمار تھے' وہ سب ناکام ہو گئے' یہ اکیلا ہی کامیاب قرار پایا۔ یہ کمیٹی کے ذمہ

داروں کے پاس گیا اور پوچھنے لگا:

"جناب! میں تو یہ انتظار کر رہا تھا کہ آپ مجھے اس جاب سے بطور سرزنش محروم کر دو گے کیونکہ ایک تو میں تمہارے دین کا مخالف ہوں' دوسرا میں نے عیسائیت کو خیر آباد کہہ کر اسلام کو سینے سے لگایا ہے۔ لیکن میرے لیے یہ بات نہایت ہی ڈرامائی اور حیرت زا ہے کہ آپ نے اپنے عیسائی بھائیوں پر مجھے ترجیح دی اور کامیاب قرار دیا ہے۔ آخر اس کا راز کیا ہے؟ مجھے بتائیے۔"

اس کمیٹی نے جواب دیا کہ اس جاب کے منتظم نے یہ شرط لگائی تھی کہ اس کام پر اس شخص کا انتخاب کیا جائے جو تمام حالات کے بارے میں بیدار مغز ہو' حاضر ذہن ہو' اور جو شراب کا رسیا ہے اس سے ایسا ممکن نہیں' ہم اسی جستجو میں تھے کہ کوئی ایسا شخص میسر آ جائے جو شرابی نہ ہو' یہ خوبی آپ میں بدرجۂ اتم پائی گئی ہے۔ لہٰذا اس کام کے لیے آپ کا انتخاب معرض وجود میں آیا ہے۔ یہ مسلمان وہاں سے باہر آ رہا تھا اور اپنے مولائے حقیقی کی حمد و ثنا سے اس کی زبان تر بتر تھی' کہ اسلام کی بدولت اس نے کتنے عظیم احسان کئے ہیں۔ اور وہ یہ آیت بار بار دھرا رہا تھا:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴾ (الطلاق : ٦٥/ ٢٨)

"جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے۔"

رشوت چھوڑنے کا انعام

سعودیہ کے تاجروں میں سے ایک ہمارے بھائی نے اپنے تجارتی سفر کا واقعہ بیان کیا ہے کہ وہ ملک کی سرحدوں پر سے مال لے کر آتا جاتا تھا' اور وہی ایک چوکی تھی جہاں سے سامان آتا جاتا تھا' اور مال لانے والوں پر یہ نگران مقرر ہوا تھا۔ مگر اس کا رئیس یعنی بڑا افسر جو تھا اس نگران کو پتہ چلا کہ وہ رشوت خور ہے۔ اور رشوت خوری میں بے شرمی کی حد تک پہنچ چکا ہے۔ اس نے وہاں کے نگران کو یہ نصیحت کر رکھی تھی کہ زیادہ تشدد نہ کیا جائے تاکہ رشوت کھانے میں آسانی رہے۔ جب اس ہمارے ساتھی نگران نے یہ بات سنی کہ یہاں کا افسر اعلیٰ رشوت لیتا ہے تو اس کے کندھے مارے خوف کے کانپنے لگے' اور اس کے جسم میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ وہ جب دفتر سے باہر نکلا تو تردد و غم کی شدت سے اس کا گلا گھٹنے لگا۔ دن گزرتے گئے تو ہمارے اس نگران دوست کے پاس بھی لوگ آ کر کہنے لگے: ”جناب! یہ ہمارے ادارے کی جانب سے آپ کی خدمت میں تحفہ دیا جا رہا ہے۔“ اور ایک آغا کہتا: ”جناب یہ ہماری کمپنی کی جانب سے آپ کی حسن کارکردگی کا تمغہ ہے۔“ وہ شکریہ کے ساتھ واپس لوٹاتا رہا۔ اور نہ لیتا رہا۔ لیکن ایسا کب تک ممکن تھا۔ اس نے یہ ڈر محسوس کیا کہ میں تو دب جاؤں گا' اگر رشوت لینا شروع ہو گیا تو ویسے ہی حرام مال ہے۔ تو اس کے دو کشتیوں میں پاؤں آ گئے۔ یا تو عہدہ و تنخواہ سے معزول ہو جاؤں' یا حرام کھا کر اللہ کی حدوں سے تجاوز کر جاؤں' اور رشوت خوری شروع کر دوں۔ مگر اس کا دل فطرت پہ تھا' اس کے دل میں ابھی یہ شعور بیدار تھا:

﴿ وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾

(الطلاق: ۶۵/ ۲۸)

"جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے نکلنے کی جگہ بنا دیتا ہے۔ اور اسے وہاں سے رزق دیتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔"

اس نے اس ملازمت سے معذرت کر لی' یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹا ٹرک دے دیا۔ میں نے مال کی سپلائی کا کام شروع کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک اور ٹرک دے دیا' بعض تاجر تو مجھ سے سامان کی سپلائی کا اس طرح مطالبہ کرنے لگے گویا کہ یہ میرا اپنا مال ہے۔

مجھے ایک حادثہ بھی پیش آیا کہ میرا ایک ٹرک ڈرائیور کو نیند آ جانے کی وجہ سے حادثہ کا شکار ہو گیا اور ٹوٹ گیا۔ جب اس نے معذرت کی تو میں نے اسے معاف کر دیا۔ ٹریفک پولیس والا میری اس کشادہ دلی سے بہت حیران ہوا اور اس نے میرے حسن سلوک کا صلہ دینے کا عزم کر لیا تھا۔ چند سال بعد اس ٹریفک پولیس والے کا منصب بڑھ گیا' وہ میرے پاس بہت سا سامان لایا' سپلائی کرنے والے اڈے اور بھی تھے مگر اس نے میرا ہی انتخاب کیا کہ میں یہ مال سپلائی کروں اور پھر اس نے بھاؤ بھی کم نہ دیا تھا۔

اپنے برادر گرامی قدر محترم قاری صاحبان کی خدمت میں درخواست ہے کہ دیکھیں اس کے لیے کس طرح رزق کے دروازے کھول دیئے گئے' اب وہ بہت بڑا تاجر ہے۔ اب فقراء کے خیر و فلاح کے اداروں میں' بہت بڑا حصہ اس کے مال کا صرف ہو رہا ہے۔

بات وہی ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر حرام میں سے کچھ چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کا صلہ ضرور دیتے ہیں۔ [1]

---

[1] قصص ایمانیہ۔ (عبد عالی)

تقویٰ کی برکات

مذکور ہے کہ ایک نوجوان تھا جو تھا تو متقی مگر ذرا اس میں غفلت تھی۔ وہ کسی ایک شیخ کے پاس طلب علم کے لیے گیا جب شیخ سے کافی علم کا حصہ حاصل کر لیا تو شیخ نے اس سے اور اس کے ساتھیوں سے کہا:

"بیٹو! اب لوگوں کا دست نگر بن کر نہ رہنا۔ کیونکہ جو عالم دنیا داروں کے سامنے دست سوال پھیلاتا ہے اس سے خیر کی توقع نہ کی جائے۔ اب تم سب چلے جاؤ اور وہ صنعت اختیار کرو جو تمہارے باپ نے اختیار کر رکھی تھی' اور اس میں اللہ کا خوف مد نظر رکھنا۔"

وہ نوجوان اپنی والدہ کے پاس گیا۔ اس سے دریافت کیا کہ میرے ابا جان کیا کام کیا کرتے تھے۔ اس کی ماں بے چین سی ہو گئی اور کہنے لگی: تیرا باپ تو رب کی جوار رحمت میں چلا گیا ہے۔ مگر بتا تجھے باپ کے کام کے متعلق کیوں دریافت کرنا پڑا ہے؟" وہ ماں کے سامنے اصرار کرتا رہا' مگر ماں ٹالتی رہی' مگر جب بات کرنے پر اس لڑکے نے مجبور کر دیا تو بادل ناخواستہ کہنے لگی "تیرا باپ چور تھا۔"

لڑکا کہنے لگا: "اصل بات یہ ہے کہ ہمارے شیخ نے ہمیں کہا تھا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے باپ کا پیشہ اختیار کرے اور اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے' ماں نے کہا:

"بیٹا افسوس ہے چوری میں تقویٰ کیا خاک ہو گا؟"

لڑکا ذرا موٹی عقل کا تھا' ماں سے کہنے لگا: "بس میرے شیخ نے یہی کہا ہے۔"

اب وہ گیا' چوری کے گر سیکھنے لگا معلومات لیتا رہا۔ یہاں تک کہ اسے چوری کرنے کی مہارت حاصل ہو گئی۔ اس نے چوری کرنے کا سامان تیار کر لیا اور عشاء کی نماز پڑھی اور انتظار میں بیٹھا رہا' یہاں تک کہ لوگ سو گئے۔ اب وہ اپنے باپ والے کاروبار

میں مشغول ہونے والا تھا۔ جیسا کہ اس کے شیخ نے اسے کہا تھا۔ اس کا آغاز اپنے پڑوسی کے گھر سے ہی کیا اور اس میں داخل ہونے لگا۔ پھر اسے یاد آگیا کہ شیخ نے ساتھ تقویٰ کا حکم بھی دیا تھا۔ اور پڑوسی کو اذیت دینا تو تقویٰ نہیں ہو سکتا' اس گھر کو پھلانگ گیا۔ اب دوسرے میں جانے لگا: دل میں کہنے لگا: "یہ تو یتیموں کا گھر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یتیموں کا مال کھانے سے روکا ہے۔" وہ اس طرح چلتا رہا یہاں تک کہ ایک مالدار تاجر کے گھر پہنچا جہاں چوکیدار بھی نہ تھا۔ لوگوں کو علم تھا کہ اس کے پاس اتنا مال ہے جو ضرورت سے بھی زیادہ ہے۔ کہنے لگا: "یہاں کام کرتا ہوں۔" اور دروازے کو چابیاں لگا لگا کر دیکھنے لگا' آخر اسے کھول لیا' اس میں داخل ہوا تو دیکھتا ہے بہت وسیع و عریض گھر ہے' بہت سے کمرے ہیں۔ اس میں گھومتا رہا یہاں تک کہ وہ مال کی جگہ تک پہنچ گیا۔ وہاں صندوق کھولا اس میں سونا' چاندی' نقدی بے شمار تھی' ان کو لینے کا ارادہ کر لیا تو ساتھ ہی یاد آگیا کہ شیخ نے حکم دیا تھا تقویٰ اپنانا ہو سکتا ہے اس تاجر نے زکوٰۃ ہی نہ نکالی ہو' پہلے تو ہمیں اس کی زکوٰۃ نکالنی چاہیے۔

اس نے نقدی کی دفتریاں لیں اور چھوٹا سا لیٹر جلا کر انہیں ساتھ لے آیا۔ اور ان دفتریوں کو پلٹنا شروع ہوا اور شمار کرنے لگا۔ وہ حساب کا ماہر تھا اور دفتریاں پکڑنے سے خبردار تھا' اس نے مال شمار کیا اور اس کی زکوٰۃ رکھ لی زکوٰۃ کی مقدار علیحدہ کر لی اور حساب کتاب میں مگن ہو گیا' یہاں تک کہ کئی گھنٹے گزر گئے دیکھا تو فجر نمودار ہو چکی تھی۔ کہنے لگا:

اللہ کا تقویٰ پہلے نماز کا تقاضا کرتا ہے' گھر کے صحن میں گیا ایک تالاب سے وضوء کیا اور نماز قائم کر دی۔ ادھر گھر کے مالک نے اس کی قراءت سنی' دیکھا تو یہ منظر اسے بہت ہی عجیب و غریب لگا۔ کہ لیٹر جل رہا ہے' اور مال والے صندوق کھلے ہوئے ہیں اور ایک آدمی نماز میں مشغول ہے۔ اس کی بیوی نے کہا: "یہ کیا ماجرا ہے؟" وہ مالک کہنے لگا: "اللہ کی قسم! مجھے بھی کچھ سجھائی نہیں دے رہا۔"

وہ گھر والا اوپر سے نیچے آیا کہنے لگا: "بہت افسوس ہے بھائی آپ کون ہو؟"

اور یہ کیا ہو رہا ہے؟" چور نے کہا: "پہلے نماز' بعد میں بات۔" گھر والے نے کہا آگے ہو کر نماز پڑھائیں۔" کہا: "امامت کا حقدار گھر والا ہوتا ہے۔"

گھر کا مالک تو خوف زدہ تھا کہ کہیں یہ مسلح نہ ہو' وہ اس کی بات مان گیا۔ لیکن اللہ ہی کو معلوم ہے اس نے کیسے نماز ادا کی۔ جب نماز مکمل ہو گئی تو گھر والے نے کہا: "اب مجھے بتاؤ تم کون ہو اور کیا لینے آئے ہو؟" اس نے کہا: "میں چور ہوں" مالک نے کہا: "آپ میری ان دفتریوں کے ساتھ کیا کر رہے تھے؟" چور نے کہا: "میں اس کی چھ سال کی زکوٰۃ جو آپ نے نہیں دی شمار کر رہا تھا۔ اور میں نے شمار کر لی ہے۔ اور میں نے اسے الگ کر دیا ہے' تاکہ اس کو اس کے مصرف میں رکھ سکیں؟" گھر والا آدمی تعجب سے پاگل ہونے کو پھرتا تھا۔ مالک نے کہا: "تجھے کس طرح پتہ ہے کہ چھ سال کی زکوٰۃ نہیں دی کیا تو پاگل تو نہیں؟" اس نے سب کچھ بتا دیا۔ جب تاجر نے اس کی بات سنی اور اس کے حساب کا ضبط دیکھا' اور سچی گفتگو دیکھی اور اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا فائدہ دیکھا تو بیوی کے پاس جا کر بات چیت کی' اس مالک کی ایک بیٹی تھی۔ وہ مالک واپس آیا اور اس سے کہا (چور سے): "اگر آپ پسند کریں تو یہ میری بیٹی ہے میں آپ کے ساتھ اس کی شادی کر دوں' اور آپ کو اپنا منشی رکھ لوں۔ آپ کو اور آپ کی امی کو میں اپنے گھر رکھ لوں اور کاروبار میں شریک کار کر لوں۔" اس چور نے کہا: "مجھے قبول ہے' صبح ہوئی تو گواہوں کو اطلاع دی گئی اور اس کا اس لڑکی سے عقد نکاح باندھ دیا گیا۔ اس طرح تقویٰ کی بدولت چور گھر کا مالک بن گیا۔ (طنطاوی)

ڈاکہ ڈالنا چھوڑا اللہ نے اپنا ولی بنالیا

تبع تابعین میں جن بزرگوں کا زہد و اتقاء ضرب المثل تھا۔ ان میں فضیل بن عیاض بھی تھے، علم و فضل کے لحاظ سے بھی معاصرین میں یہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، مگر دلوں میں ان کی فضیلت اور عظمت و جلالت ان کے زہد و اتقاء ہی کی وجہ سے تھی، ان کی زندگی توبہ و انابت الی اللہ کی صحیح تصویر تھی۔

ان کا خاندان صوبہ خراسان کی ایک بستی طالقان کا رہنے والا تھا، جو بعد میں فندین میں آباد ہو گیا تھا۔ اس فندین کے قریب ایک بستی ابیورد تھی، وہیں ان کی ولادت ہوئی۔[1]

فضیل گو ایک آزاد مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے مگر ان کو سازگار ماحول نہیں ملا۔ جس کی وجہ سے ان کی عادتیں بگڑ گئیں اور کچھ دنوں میں وہ ایک مشہور ڈاکو کی حیثیت سے مشہور ہوئے ان کی ڈاکہ زنی کا اتنا چرچا تھا کہ خراسان کے آس پاس سے قافلے گزرتے ہوئے ڈرتے تھے۔

ان کی زندگی کے یہی لیل و نہار تھے۔ کہ یکایک فضل ایزدی نے ان کا دامن پکڑا، اور ان کو توبہ کی توفیق نصیب ہوئی، ان کے توبہ کی داستان میں کتنوں کے لیے سامان بصیرت ہے۔ ان کو کسی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا، مگر خواہش نفس کی تکمیل کی کوئی سبیل پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ ایک دن موقع پا کر اس کے گھر کی دیوار پھاند کر اندر داخل ہونا چاہتے تھے۔ کہ کسی اللہ کے بندے نے یہ آیت تلاوت کی:

﴿ اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ﴾

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۸۔

"کیا ابھی اہل ایمان کے لیے وقت نہیں آیا ہے' کہ ان کے دل اللہ کی یاد کے لیے جھک جائیں۔"

کلام الٰہی کی یہ دل گداز آواز ان کے کانوں میں پہنچی' اور کانوں کے ذریعہ دل میں اتر گئی' ایمان کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑک اٹھیں' بے اختیار بول اٹھے: یا رب۔ اے پروردگار! وہ وقت آگیا' کہ میں بحر معاصی سے نکل کر تیرے دامن رحمت میں پناہ لوں۔" وہاں سے وہ اسی وقت واپس ہوئے' رات کا وقت تھا۔ اس لیے ایک خرابہ میں ٹھہر گئے' پاس ہی کوئی قافلہ پڑاؤ ڈالے پڑا تھا' اہل قافلہ آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ کب رخت سفر باندھا جائے' بعضوں کا خیال تھا کہ اسی وقت چل دینا چاہیئے۔ مگر اہل تجربہ نے رائے دی کہ صبح سے پہلے سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے' اسی راستہ پر فضیل قافلوں پر ڈاکے ڈالتا ہے' فضیل کا بیان ہے کہ میں نے دل میں سوچا کہ میں رات بھر معاصی میں غرق رہتا ہوں اور بندگان اللہ مجھ سے ڈرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ نے ان کے درمیان مجھے اس لیے نہیں بھیجا ہے' پھر صدق دل سے توبہ کی اور یہ دعا کی:

﴿ اَللّٰهُمَّ اِنِّي تُبْتُ اِلَيْكَ وَجَعَلْتُ تَوْبَتِي مَجَاوَرَةُ الْبَيْتِ الْحَرَامِ ﴾

"اے پروردگار! میں تیری طرف پلٹتا ہوں اور اس توبہ کے بعد اپنی زندگی کو تیرے گھر کی خدمت کے لیے مخصوص کرتا ہوں۔"

اس توبہ نصوح کے بعد ان کو علم دین کی تحصیل کا شوق دامن گیر ہوا' اور اسی شوق میں وہ ترک وطن کر کے کوفہ آئے' یہاں امام اعمش شیخ منصور اور بعض دوسرے ائمہ حدیث سے اکتساب فیض کیا' پھر حسب وعدہ جوار حرم کو اپنا مسکن بنایا۔ اور پھر اسی کے سایہ میں پوری زندگی بسر کر دی۔[2]

---

[1] تہذیب ج ۸ ص ۲۹۵ سیر اعلام النبلاء۔ البدایة والنهایة۔

[2] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۸۔

پچھلی زندگی کا ان پر کچھ ایسا رد عمل ہوا تھا کہ وہ گوشہ گیر ہو کر یک گونہ دنیا سے بے تعلق ہو گئے تھے' عام طور پر محدثین ایسے زاہدوں اور گوشہ گیروں کو کوئی علمی مقام نہیں دیتے تھے' اور نہ ان کی روایتوں کو قبول کرتے تھے' مگر فضیل بن عیاض کی ذات اس سے مستثنیٰ تھی' ان کی روایتوں کو عام محدثین نے قبول کیا ہے' اور خود بھی ان سے روایت کی ہے' اس کی وجہ یہ تھی کہ فضیل بن عیاض کی زہد پسندی نے انہیں حصول علم دین سے بے نیاز نہیں کر دیا تھا' توبہ کے بعد گو ان کی عمر کافی ہو چکی تھی لیکن وہ اس کے باوجود کوفہ پہنچے' اور وہاں ممتاز شیوخ حدیث و فقہ سے استفادہ کیا۔[1]

ان کے ممتاز شیوخ فقہ و حدیث یہ ہیں' امام اعمش' سلیمان التیمی' منصور بن معتمر' حمید الطویل' یحییٰ بن سعید الانصاری' محمد بن اسحاق' جعفر بن محمد الصادق' اسماعیل بن خالد' سفیان ثوری وغیرہ۔[2] فقہ میں خاص طور پر انہوں نے فقہ کے سب سے ممتاز ائمہ امام ابوحنیفہ' اور محمد بن ابی لیلیٰ سے استفادہ کیا تھا۔[3]

زہد و اتقاء میں ان سے استفادہ کرنے والوں کی تعداد کا حصر تو ناممکن ہے۔ مگر جن لوگوں نے زہد و اتقاء کے ساتھ ان سے علمی استفادہ کیا تھا۔ ان کی تعداد بھی کم نہیں ہے۔ سفیان ثوری گو ان کے شیوخ میں ہیں' مگر خود انہوں نے بھی ان سے روایت کی ہے' اُسی طرح سفیان بن عیینہ' ابن مبارک اور امام شافعی ان کے تلامذہ میں ہیں' ان کے علاوہ یحییٰ بن سعید القطان' ابن مہدی' عبدالرزاق حمیدی' ابن وہب' اصمعی' یحییٰ بن یحییٰ التیمی وغیرہ نے ان سے استفادہ کیا تھا۔

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۹۸ و تہذیب الاسماء نووی ج ۲ ص ۵۱۔

[2] البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۹۸ و تہذیب الاسماء نووی ج ۲ ص ۵۱ اور تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۲۹۴۔

[3] الجوہر المضیہ ج ۱ ص ۴۰۹۔

تمام محدثین نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا ہے' ان کی روایتیں قبول کی ہیں' لیکن اس کے باوجود تحدیث روایت سے حتی الامکان گریز کرتے تھے' امام نووی نے لکھا ہے وہ حدیث نبوی سے سخت خائف رہتے تھے' اور اس کی روایت ان پر بہت گراں گزرتی تھی۔[1] خاص طور پر کسی غیر محدث سے حدیث کی روایت کو تو پسند ہی نہیں کرتے تھے' ایک بار کسی نے ان سے کہا کہ آپ جعفر بن یحییٰ سے روایت نہیں کرتے' فوراً بولے کہ میں حدیث نبویؐ کو اس سے بلند سمجھتا ہوں کہ اس کی روایت ابن یحییٰ سے کی جائے۔[2] فرماتے تھے کہ اگر کوئی مجھ سے درہم و دینار مانگ لے تو یہ میرے لیے آسان ہے' مگر مجھ سے تحدیث کی فرمائش نہ کرے۔[3]

محدثین کا اعتراف

ان کے علم و فضل کی زیادہ تفصیل تذکروں میں نہیں ملتی' ابن جوزی نے ان کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے' اگر وہ مل جاتی تو البتہ ان کے بارے میں کافی معلومات ملتیں۔ لیکن ممتاز ائمہ حدیث و فقہ نے ان کے بارے میں جو رائے دی ہے! اس سے کسی حد تک ان کے علم و فضل کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔[4] قاضی شریک نے ان کو حجت کہا ہے۔ ابن ناصر الدین نے امام الحرم' شیخ الاسلام قدوۃ الاعلام وغیرہ کے الفاظ سے ان کا تذکرہ کیا ہے[5] دارقطنی اور نسائی نے ثقہ اور ابو حاتم نے صدوق کہا ہے۔ ابن سعد نے ان کو ثقہ' فاضل' متقی اور کثیر الحدیث بتایا ہے' امام نووی نے لکھا ہے' کہ ان

---

[1] تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۵۱۔

[2] تہذیب الاسماء جلد ۲ ص ۵۱۔

[3] الجواہر المضیہ جلد ۱ ص ۴۰۹۔

[4] تہذیب ج ۸ ص ۲۹۵۔

[5] شذرات الذہب ج ۱ ص ۳۱۷۔

کی توثیق پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے' وہ صحیح الحدیث اور صدوق اللسان تھے' ان کی روایتیں صحیح اور سچی ہوتی تھیں' [1] ان کے علم و فضل کی توثیق کے لیے یہ بات کافی ہے کہ ان سے سفیان ثوری' یحییٰ بن سعید القطان' امام بخاری' امام مسلم جیسے ائمہ حدیث نے روایت کی ہے' بعض محدثین ان کی روایت کے قبول کرنے میں کچھ تامل بھی کرتے تھے' مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔

ان کے صحیفہ زندگی کا سب سے تابناک باب یہی ہے' ابن مبارک جن کا زہد و اتقاء خود ضرب المثال تھا' وہ فرماتے ہیں کہ فضیل اس زمانہ کے سب سے متقی آدمی تھے' دوسری روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میرے نزدیک زمین پر اس وقت ان سے زیادہ افضل آدمی کوئی دوسرا نہیں ہے' [2]

---

[1] تہذیب التہذیب اور تہذیب الاسماء ج ۲ ص ۵۲۔

[2] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۱۹۵۔

اسلام نے چور کو درجۂ شہادت پر فائز کر دیا

مالک بن ریب مازن تمیم کا ایک آدمی تھا۔ جو چور تھا' شظاظ ضبی ڈاکو کے ساتھ جو ڈاکہ ڈالنے میں ضرب المثل تھا۔ مل کر ڈاکے مارتا تھا۔ ساری عمر اس نے لڑائی مارکٹائی میں ہی گنوا دی تھی۔ اس نے کبھی دوستوں کے دلوں کو ملانے کا کام نہ کیا تھا' اور نہ ہی دلوں کو جیتنے والا کام کیا تھا۔ بلکہ ڈاکے ڈالنا اور قافلے کو لوٹنا ہی اس کا کام تھا۔ سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے سعید بن عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کو جب خراسان کی امارت پر والی بنایا تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت فارس کے راستے پر چل دیئے۔ راستے میں وہاں سیدنا سعید کو مالک بن ریب ملاء کہتے ہیں مالک بن ریب تمام عرب میں سے خوبصورت تھا' اور بڑی شگفتہ اور حسین گفتگو کر لیتا تھا۔ جب سیدنا سعید نے مالک کو دیکھا تو انہیں دل پسند لگا۔ مالک اپنے ساتھیوں میں تھا۔ سیدنا سعید نے کہا:

"مالک بہت افسوس ہے کہ وجہ کیا ہے کہ میں سن رہا ہوں کہ تو انسان دشمنی اور ڈاکہ زنی میں بہت آگے جا چکا ہے۔"

مالک نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ امیر کی اصلاح کرے۔ یہ زیادتی جو کر رہا ہوں یہ بھائیوں کی برابری کا بدلہ دینے سے درماندگی کی وجہ سے ہے۔ سیدنا سعید نے کہا اگر میں تجھے مال و دولت سے بھر دوں اور تجھے اپنا ہم نشیں بنا لوں تو کیا اپنے اس طرز عمل سے باز آ جائے گا۔ اور اللہ کی طرف پختہ توبہ کر کے لوٹ آئے گا۔ اور میرے پیچھے پیچھے چلنے لگے گا؟" مالک نے کہا: "ہاں' اللہ امیر کا بھلا کرے۔ میں ایسا باز آؤں گا کہ اس سے بہترین طرز و ادا کسی نے نہ اپنایا ہو گا۔"

سیدنا سعید نے مالک کو اپنا مصاحب بنالیا' اور ہر ماہ پانچ سو دینار اس کے لیے

مقرر کر دیئے۔ یہ جہاد میں سیدنا سعید کے ساتھ سب سے بڑا مجاہد تھا جو اللہ کی راہ میں لڑتا تھا۔ یہاں تک کہ خراسان میں شہید ہو گیا۔ دوران معرکہ اس کے جسم میں نیزہ پیوست ہوا جس کی بنا پر وہ زمین پر گر گیا۔ یہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا اور (آئندہ ہم درج کریں گے) یہ قصیدہ پڑھ رہا تھا جس میں خود اپنا مرثیہ کہہ رہا تھا' اور اپنی مسافری کا تذکرہ کرتا ہے' اور اپنے حالات بیان کرتا ہے۔ یہ سب سے عظیم قصیدہ ہے جو کسی شاعر نے اپنے بارے میں کہا ہے۔ ایک عربی آدمی تھا' عام عمر اپنے جزیرہ میں رہا' نہ تو اس نے کوئی اپنی زندگی سے فائدہ حاصل کیا اور نہ ہی اس نے کبھی اپنی یاد داشتوں کے خوابوں سے سرگوشی کی تھی' اور نہ ہی وہ اپنی آرزوؤں کی شراب میں کبھی مست ہوا تھا' کیونکہ اس نے کبھی ایک دن بھی آرام کے لیے نہ پایا تھا' جس میں وہ تنہا ہو کر سوچتا' یا خوابوں کی لذت محسوس کرتا' اور یاد دھانی کا پیکر جمال آراء دیکھتا' اور آرزوؤں کی سحر نمودار ہوتی دیکھا' تاکہ اس کے دل کی گہرائیوں میں چھپے ہوئے اشعار کے وہ چشمے پھوٹتے جو اس کی زندگی کے آخری لمحات میں پھوٹے تھے۔ جب وہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ یہ اب وطن سے دور میدان میں پڑا ہوا ہے' یہ اجنبی شہر ہے' یہ ان شہروں کی مٹی سے نا آشنا ہے۔ اور شہروں کی مٹی اس سے نہ آشنا ہے۔ یہ ان شہروں سے مانوس نہیں اور شہر اس کے وجود سے نامانوس ہیں۔ یہ اب ہاں فقط اب ہی' اپنے شہر اور سرزمین کی مٹی کو یاد کرتا ہے۔ ان بڑی بڑی نعمتوں کی قیمت پاتا ہے۔ اور آدمی کو نعمتوں کی قدر و قیمت ہوتی بھی ان کے زوال کے بعد ہی ہے۔ اور اس کے دل میں آرزوئیں تڑپتی ہیں کاش کہ ایک رات مزید خوشحالی کے پہلو میں گزار سکوں' اور کاش کہ اونٹ دوبارہ چراگاہ میں لے جا سکوں' اور اس وقت انسان یاد کرتا ہے کہ وہ نعمت عظمیٰ جسے میں اب بہت بری سمجھ رہا ہوں اسے کیسے حقارت سے ٹھکرا دیا تھا۔ اب سنئے یہ اپنے الفاظ میں کیا کہتا ہے اور کیسے خون کے آنسو روتا ہے۔ اس کا ایک ایک قافیہ رو رو کر خوشابہ ہو رہا ہے:

اَلَالَیْتَ شَعْرِی هَلْ اَبِیْتَنَّ لَیْلَةً

بِجَنْبِ الْغِضٰی لَمْ یَقْطَعِ الرَّکْبُ عَرْضَہ

کاش! میں جھاؤ کے درخت کے پہلو میں ایک رات بسر کر سکوں' قافلے جس کے عرض کو طے نہیں کر سکے۔

کاش ! جھاؤ کے وہ درخت جہاں اونٹوں کے قافلے رات کو چلتے ہیں۔ اگر جھاؤ کے درخت کی جھاڑیاں قریب ہوئیں تو جھاؤ والوں کی زیارتگاہ ہوتیں' لیکن جھاؤں کی جھاڑیاں قریب نہیں ہیں۔

یہ مالک اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے اور تعجب کرتا ہے کہ اس نے کس طرح اس منفی پہلو کو خوشگوار طور پر' اپنی رضا مندی سے پسند کر لیا ہے اور اپنے ماں باپ پر تعجب کرتا ہے کہ ان برے عمل سے اسے کیوں نہ روکا' اور اس چیز کا تذکرہ کرتا ہے جو اسے خراسان میں لے آئیں۔

① کیا آپ نے دیکھا نہیں میں نے ضلالت فروخت کر کے ہدایت خریدی ہے۔ اور میں سیدنا عثمانؓ کے بیٹے سعیدؒ کے لشکر میں شامل ہو گیا ہوں۔

② مجھے میری عمر کی قسم! اگر خراسان نے میری کھوپڑی میں معمولی درد بھی کی' تو میں خراسان کے دونوں دروازوں سے دور چلا جاؤں گا۔

③ میں کس قدر خوش قسمت ہوں' جس دن میں نے اپنے بیٹوں اور مال کو دو وادیوں کے بلند حصہ پر بخوشی چھوڑ دیا تھا۔

④ شام کے وقت نمودار ہونے والی ہرنیاں خوش قسمت ہیں کہ جو اطلاع دے رہی ہیں کہ میں ہلاک ہونے والا ہوں۔

⑤ اور خوش قسمت ہوتے میرے وہ دونوں بڑے یعنی والدین جو مجھ پر بہت شفقت رکھا کرتے تھے۔

اور میرے بہت ہی خیر خواہ تھے۔ کاش! وہ مجھے برائی سے منع کرتے۔

اور ملاحظہ کے قابل اور بغور سننے کے قابل یہ بات ہے کہ وہ رونے والے کی تلاش میں ہے جو اس پر موت کے بعد روئے' وہ صرف ایک تلوار اور گھوڑا ہی پاتا

ہے۔ اور کوئی نہیں جو اس کی لاش پر آنسو بہائے۔

① میں یاد کر رہا تھا میرے اوپر کون روئے گا' کوئی نہیں صرف میری شمشیر آبدار اور ردینی نیزہ ہی ہے جو میرا ماتم کریں گے۔

② ایک سرخ رخ لمبا گھوڑا ہے جو اپنی لگام کھینچ رہا ہے کہ پانی سے سیراب ہو لیکن زمانہ کی گردشوں نے اس کے لیے پانی پلانے والا بھی نہیں چھوڑا۔

اے پیارے قارئین کرام۔ مالک کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں لوگ موت کی وادی میں اترے ہوں گے اور اس سے پہلے اور بعد میں بھی مرتے رہے ہیں اور مرتے رہیں گے' ان کے تعلق دار انہیں بھول گئے ہوں گے' اور ان کے گھر والے تسلی حاصل کر چکے ہوں گے' مگر یہ اللہ تعالیٰ کے در توبہ پہ گرنے والا اور جھکنے والا ایک شان رکھتا ہے' یہ وہ ہے جس نے راہزنی چھوڑی' جو گمراہی' نقصان اور سراسیمگی کا راستہ تھا' اور اللہ کی راہ میں شہید ہوا' آج تم اسے یاد کر کے اس پر آنسو بہا رہے ہو' اور تم اسے جانتے بھی نہیں۔ اسی طرح جو اللہ کے لیے برائی چھوڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے بہتر معاوضہ دیتے ہیں۔ اگر طوالت کا ڈر نہ ہوتا تو اس کا مکمل قصیدہ سناتا جو پچاس اشعار سے بھی اوپر ہے۔ یہ شعر کی عظمت ہے' یہ شاعر کی حیات جاودانہ ہے۔[1]

---

[1] استاد محب الدین خطیب ص ۱۶۵ شیخ علی طنطاوی ص ۱۳۵۔

حسد چھوڑنے سے جنت ملتی ہے

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے' آپ نے فرمایا: "ہمارے سامنے ایک ایسا آدمی نمودار ہونے والا ہے جو جنتی ہے۔" اس کے بعد انصار کا ایک آدمی نمودار ہوا' وضوء کے پانی کو داڑھی سے صاف کر رہا تھا' اور اپنے بائیں ہاتھ میں جوتے لٹکا رکھے تھے۔ جب دوسرا دن ہوا تو تب بھی آپ نے اسی طرح فرمایا۔ جب تیسرا دن تھا آدمی اسی طرح نمودار ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی بشارت پر مبنی مژدہ سنایا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اس آدمی کے پیچھے ہو لئے جس کے متعلق آپ نے جنت کی بشارت دی تھی' اور اس سے کہنے لگے: "میرا اپنے والد صاحب سے کچھ اختلاف ہوا ہے' میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں تین روز تک گھر نہ جاؤں گا' اگر آپ اجازت دیں کہ میں آپ کے ہاں ٹھہر سکوں' تاکہ میں تین روز گزار سکوں۔" اس نے کہا: "کوئی بات نہیں رہ سکتے ہو؟" سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اس کے ہاں تین راتیں گزاریں۔ میں نے دیکھا کہ وہ رات کو قیام بھی کوئی خاص نہیں کرتے۔ ایک بات تھی جب رات کو نیند اچاٹ ہو جاتی اور اپنے بستر پہ پہلو بدلتے تو اللہ عز و جل کا ذکر کرتے تھے اور اللہ اکبر کہتے تھے۔ یہاں تک کہ نمازِ فجر کے لیے کھڑے ہوتے۔

سیدنا عبداللہ کہتے ہیں: میں نے جب بھی کچھ سنا وہ بھلائی کی بات کرتے تھے' جب تین راتیں بیت گئیں۔ میں نے ان کے اس عمل کو معمولی تصور کیا' میں نے عالم حیرانگی میں ان سے کہا: "اے اللہ کے بندے! میں حقیقت بتاؤں' میرے اور میرے والد صاحب کے درمیان کوئی غصہ اور ناراضگی نہ تھی۔ بات یہ ہے کہ میں نے آپ

کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ نے تین مرتبہ آپ کے لیے کہا تھا کہ ابھی تمہارے سامنے ایک آدمی نمودار ہو گا جو جنتی ہے۔ تین مرتبہ آپ ہی نمودار ہوتے رہے۔ میں نے چاہا کہ میں آپ کے ہاں ٹھکانہ طلب کر کے آپ کا وہ عمل دیکھوں جس نے آپ کو اس مقام تک پہنچایا ہے' تاکہ میں بھی اس کے نقش قدم پہ چل کر یہ رتبہ پا لوں۔ میں نے دیکھا ہے آپ کوئی زیادہ نمایاں عمل تو نہیں کرتے' مگر وہ کیا چیز ہے جس نے آپ کو اس بلندی سے ہم آہنگ کر دیا ہے جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہے۔" وہ کہنے لگے: "عمل تو وہی ہے جو آپ نے دیکھ لیا۔" سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں جب میں واپس مڑا تو مجھے بلایا اور کہا: "عمل تو آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ مگر علاوہ ازیں یہ ہے کہ میں نے کسی مسلمان کے خلاف دل میں دھوکہ فریب کو کبھی جگہ نہیں دی' اور اللہ تعالیٰ نے جو دوسرے کو خیر و بھلائی عطا فرمائی ہے اس پر میں نے اس کا کبھی حسد نہیں کیا' سیدنا عبداللہ نے کہا: "یہی وہ چیز ہے جس نے آپ کو اس بلندی پہ فائز کیا اور یہی وہ خصلت ہے۔ اس پر ہم آپ کی طرح عمل کی طاقت نہیں پاتے۔[1]

---

[1] احمد ج ۳ ص ۱۶۶ احیاء کی تخریج احادیث میں عراقی نے اس سند کو بخاری' مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

بخل و کنجوسی چھوڑنے کا انعام

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے' ایک جذامی (کوڑھی) ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ نے ان تینوں کو آزمانا چاہا' ایک فرشتے کو ان کی طرف بھجوایا۔ وہ جذامی کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "تو کیا چاہتا ہے؟" اس نے کہا کہ: "اچھا رنگ اور اچھی جلد۔ (کیونکہ اس حال میں) لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" فرشتے نے پوچھا: "تجھے دنیا کے مالوں میں سے کون سا مال بہت زیادہ پسند ہے؟" وہ کہنے لگا کہ "اونٹ۔" تو اسے دس مہینے کی گابھن اونٹنی دی گئی اور فرشتے نے کہا کہ "اللہ تجھے اس میں برکت دے۔" پھر فرشتہ گنجے کے پاس آیا اور اس سے پوچھا کہ: "تو کیا چاہتا ہے؟" اس نے کہا: "اچھے بال' یہ گنجا پن دور ہو جائے' کیونکہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔" فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو گنجا پن ختم ہو گیا اور بہت اچھے بال نکل آئے۔ پھر فرشتے نے کہا: "دنیا کا کون سا مال تجھے زیادہ پسند ہے؟" اس نے کہا "گائے"۔ فرشتے نے ایک گابھن گائے اس کو دی اور کہا کہ: "اللہ تجھے اس میں برکت دے۔" پھر وہ فرشتہ اندھے کے پاس گیا اور پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ کہنے لگا کہ: "اللہ مجھے میری بینائی واپس کر دے تاکہ میں لوگوں کو دیکھوں" فرشتے نے اس (کی آنکھوں) پر ہاتھ پھیرا تو اللہ نے اس کی بینائی لوٹا دی۔ فرشتے نے کہا کہ: "تجھے کون سال مال زیادہ پسند ہے؟" اس نے کہا "بکریاں۔" فرشتے نے اسے ایک جننے والی بکری دی۔

پھر اونٹنیاں اور گائے بکریاں بھی جنیں یعنی بڑھیں تو جذامی کے پاس اونٹوں کا اور گنجے کا پاس گایوں کا اور اندھے کے پاس بکریوں کا ایک جنگل ہو گیا۔ پھر (وہی فرشتہ) اپنی اسی صورت اور شکل میں (جس میں پہلے آیا تھا) جذامی کے پاس آیا اور کہا کہ:

"میں ایک محتاج آدمی ہوں سفر میں میرا سارا سامان جاتا رہا اب میں اللہ کی مدد اور اس کے بعد تیری عنایت کے بغیر اپنے ٹھکانے پر نہیں پہنچ سکتا' میں تجھ سے اس ذات (اللہ) کے نام پر سوال کرتا ہوں جس نے تیرے بدن کا رنگ اچھا کر دیا' تیری جلد اچھی کر دی اور تجھے مال دیا' مجھے ایک اونٹ دے جس پر میں سفر میں سوار ہو کر اپنے ٹھکانے پر پہنچ جاؤں۔ جذامی نے اسے جواب دیا کہ میں نے تو بہت آدمیوں کے (قرض) دینا ہے۔" فرشتے نے کہا: "گویا میں تجھے پہچانتا ہوں' کیا تو کوڑھی نہ تھا' سب لوگ تجھ سے نفرت کرتے تھے اور تو محتاج تھا تو اللہ نے تجھے یہ سب عنایت کیا؟" جذامی نے کہا کہ: "میں تو بزرگوں کے وقت سے مالدار چلا آتا ہوں۔ فرشتے نے کہا کہ: "اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ پھر تجھے ویسا ہی (کوڑھی) کر دے۔" پھر وہ فرشتہ اسی شکل اور صورت میں گنجے کے پاس گیا اور اس سے بھی وہی کہا جو کوڑھی سے کہا تھا تو اس نے بھی ویسا ہی جواب دیا تو فرشتے نے کہا کہ: "اگر تو جھوٹ بولتا ہے تو اللہ پھر تجھے ویسا ہی کر دے۔" پھر وہ فرشتہ اپنی اسی شکل میں اندھے کے پاس گیا اور کہا کہ: "میں ایک محتاج اور مسافر آدمی ہوں اور میرے پاس سفر کا سامان بالکل نہیں رہا اب بغیر اللہ کی مدد اور تیری توجہ کے میں اپنے وطن نہیں پہنچ سکتا' مجھے اس اللہ کے نام پر جس نے تیری آنکھیں (دوبارہ) روشن کیں ایک بکری دے دے جس سے میں سفر میں اپنے ٹھکانے تک پہنچ جاؤں۔" اندھے نے کہا کہ: "بے شک میں اندھا تھا' اللہ نے مجھے بینائی دی' محتاج تھا' مجھے مالدار کر دیا (اس کے نام پر تو مانگتا ہے) جو تیرا جی چاہے وہ لے لے' میں آج تجھے تنگ نہیں کرنے لگا (یعنی ہرگز روکوں گا نہیں)۔" فرشتے نے کہا کہ (میں محتاج نہیں ہوں) تو بکریاں رہنے دے' اللہ نے تم تینوں کو آزمایا تھا' تجھ سے تو خوش ہوا اور تیرے دونوں ساتھیوں (کوڑھے اور گنجے) سے ناراض۔ [1]

---

[1] بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء: باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (ح ۳۴۶۴)

مسلم۔ کتاب الزھد: باب الدنیا سجن المؤمن و جنۃ الکافر (ح ۲۹۶۴)

ناحق قتل و غارت گری چھوڑنے کا انعام

اللہ نے جنت کا وارث بنا دیا

((عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِي رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَالَ كَانَ فِي بَنِي اِسْرَائِيْلَ رَجُلٌ قَتَلَ تِسْعَةً وَ تِسْعِيْنَ اِنْسَانًا ثُمَّ خَرَجَ يَسْأَلُ فَأَتَى رَاهِبًا فَسَأَلَهُ فَقَالَ لَهُ هَلْ مِنْ تَوْبَةٍ قَالَ لَا فَقَتَلَهُ فَجَعَلَ يَسْأَلُ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ ائْتِ قَرْيَةَ كَذَا وَ كَذَا فَأَدْرَكَهُ الْمَوْتُ فَنَاءَ بِصَدْرِهِ نَحْوَهَا فَاخْتَصَمَتْ فِيْهِ مَلَائِكَةُ الرَّحْمَةِ وَ مَلَائِكَةُ الْعَذَابِ فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَقَرَّبِي وَ أَوْحَى اللّٰهُ إِلَى هَذِهِ أَنْ تَبَاعَدِي وَ قَالَ قِيْسُوا مَا بَيْنَهُمَا فَوُجِدَ إِلَى هَذِهِ أَقْرَبُ بِشِبْرٍ فَغُفِرَلَهُ))

"سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے (۹۹) آدمیوں کو (ناحق) قتل کیا تھا پھر (نادم ہو کر) مسئلہ پوچھنے نکلا تو ایک درویش (پادری) کے پاس آیا اور اس سے کہا کہ: "کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟" اس نے کہا: "نہیں۔" اس شخص نے اس پادری کو بھی مار ڈالا پھر مسئلہ پوچھتا پوچھتا چلا تو ایک شخص (دوسرے پادری) نے کہا کہ: "تو فلاں بستی میں جا۔" رستے میں اس کو موت آ پہنچی (مرتے مرتے) اس نے اپنا سینہ اس بستی کی طرف جھکا دیا اب رحمت اور عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے (کہ اس کو ہم اپنے ساتھ لے کے جائیں گے) تو اللہ تعالیٰ نے نصرہ (اس) بستی کو (جس طرف وہ جا رہا تھا) یہ حکم دیا کہ اس شخص سے نزدیک

ہو جا اور اس بستی کو (جہاں سے وہ نکلا تھا) یہ حکم دیا کہ تو اس سے دور ہو جا پھر فرشتوں سے فرمایا کہ ایسا کرو جہاں یہ مرا ہے وہاں سے دونوں بستیاں ناپو (ناپا گیا) تو دیکھا کہ وہ نصرہ سے ایک بالشت زیادہ نزدیک ہے' پس وہ جہنم سے بچا لیا گیا۔[1]

---

[1] بخاری۔ کتاب احادیث الانبیاء : باب ما ذکر عن بنی اسرائیل (ح ۳۴۷۰)

مسلم۔ کتاب التوبة : باب قبول توبة القاتل و ان کثر قتله (ح ۲۷۶۶)

نفع بخش تجارت

صحابہؓ کرام رضی اللہ عنہم نے اس دینِ عظیم کی خاطر مال اور جان کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ یہ دین کے بہترین معاون اور اس کی راہ کے بہترین مجاہد تھے۔ جب سے انہوں نے اسلام کی حقانیت کا تصور ذہن میں بٹھایا تھا' تو ان کا ہر قدم اس کی مطابقت میں اٹھتا تھا' اور ان کے ضمیر میں اسی کا شعور بیدار تھا' انہوں نے دین اسلام کے ساتھ اخلاص و وفا کا حق ادا کر دیا تھا' اور ہر قیمتی اور نفیس چیز اس پر فدا کر دی تھی' دین نے انہیں ہجرت کرنے کے لیے پکارا تو دوڑتے ہوئے آئے' اور مکہ مکرمہ کی بے پایاں محبت ان کے دلوں میں موجزن تھی اور اسے چھوڑنے کی خلش نے بے قرار کیا تھا پھر بھی اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ مقامات جن سے ان کا بچپن مانوس تھا اور جہاں ان کے قیام طفولیت کی بہاریں گزری تھیں' وہ وطن جس کے ساتھ ان کی یادیں اور محبتیں وابستہ تھیں' ان سب پر عقیدۂ توحید کو ترجیح دی' ان کو دعوت جہاد دی گئی تو یہ ایسے من چلے شاہسوار تھے جن سے دل دہل جاتے تھے' اور جب انہوں نے ہجرت کی تو انہوں نے فدائیت' قربانی' ایمان اور حق عمیق کے میدان میں ایسی عمدہ مثالیں چھوڑی ہیں کہ ہمیشہ ہمیشہ صفحۂ دہر پر نقش رہیں گی۔

اسی سلسلہ میں ہم آپ کو ایک واقعہ سناتے ہیں:

جب سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہجرت کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو قریش کے چند افراد ان کے پیچھے ہو لئے اور کہنے لگے:

اے صہیب! جب آپ ہمارے ہاں آئے تھے تو ایک فقیر و بے نوا تھے' آپ نے ہمارے درمیان رہ کر مال حاصل کیا ہے اور آپ اس حد تک پہنچے ہیں۔ اب آپ کا ارادہ ہے کہ آپ اپنا مال بھی اور خود بھی یہاں سے نکل جائیں۔ اللہ کی قسم! ہم اس

کی اجازت نہیں دیں گے۔" سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ اپنی سواری پر سے اتر آئے اور ترکش سے تمام تیر باہر نکال کر بکھیر دیئے۔ پھر کہا: "اے گروہ قریش! تمہیں معلوم ہے میں تم سب سے بڑھ کر تیر انداز ہوں' اللہ کی قسم! تم مجھ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ میرے ترکش کا آخری تیر میرے ہاتھ میں ہو گا' میں تیر پھینکتا رہوں گا' پھر بھی میں اپنی شمشیر باطل شکن چلاؤں گا جب تک بازوئے شمشیر زن چلتا رہے گا' اس کی تاب تم نہیں لا سکتے' لہٰذا اپنا ارادہ بتاؤ کیا ہے؟" انہوں نے کہا: "ہمارا مال واپس کر دو۔ سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "مجھے بتاؤ اگر میں اپنا مال تمہارے نام کر دوں تو تم میرا راستہ چھوڑ دو گے؟" کہنے لگے: "ہاں۔" سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ نے سارا مال ان کو دے دیا۔

اب مدینہ پہنچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے صہیب! تمہاری تجارت بہت ہی زیادہ فائدہ مند رہی ہے۔ تمہاری تجارت بہت ہی فائدہ مند رہی ہے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ (بقرہ: ۲/۲۰۷)

"بعض لوگ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی تلاش میں اپنی جان تک بھی فروخت کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ شفقت کا سلوک کریں گے۔"[1]

---

[1] مسند احمد ج ۲ ص ۸۲۸۔ مصنف عبدالرزاق ج ۱۱ ص ۵۲۔ ابن ابی حاتم۔ مستدرک حاکم (۳/۴۰۰) و سندہ ضعیف۔ حصین بن حذیفہ مجہول۔ و یعقوب فیہ کلام صحیح ہے۔ اصابہ ج ۲ ص ۱۹۵۔ حلیہ ج ۱ ص ۱۵۵۔

مال کا حق ادا کرنے کا انعام

ایک دفعہ ایک آدمی صحراء میں رواں دواں جانب منزل جا رہا تھا کہ اس نے آسمان سے آواز سنی کہ "فلاں آدمی کے باغ کو سیراب کر دو" وہاں سے بادل کا ایک ٹکڑا علیحدہ ہو گیا اور پانی ایک پتھریلی زمین پر برسا دیا۔ ایک نالہ پانی سے لبالب بھر گیا اور ایک جانب چلنا شروع ہو گیا۔ وہ آدمی بھی پانی کے پیچھے ہو لیا۔ آگے دیکھتا ہے کہ ایک آدمی اپنے باغ میں کھڑا ہے اپنی کسیّ سے پانی بدل رہا ہے۔ اس صحراء نورد آدمی نے باغ والے سے پوچھا: "اے اللہ کے بندے! تیرا کیا نام ہے؟" اس نے کہا: "میں فلاں ہوں۔" اس نے اپنا نام بتا دیا۔ یہ وہی نام تھا جو اس نے بادل سے سنا تھا۔ اس نے کہا: "اے اللہ کے بندے! آپ میرا نام کیوں پوچھ رہے ہیں؟" اس صحرائی نے کہا: "میں نے اس بادل سے آواز سنی تھی جس کا پانی یہ آ رہا ہے کہ تیرا نام لے کر اس میں کہا گیا تھا کہ فلاں کے باغ کو سیراب کر دو' اب مجھے بتاؤ کہ آپ کیا عمل کرتے ہیں؟" وہ کہنے لگا: "اگر تو نے پوچھ ہی لیا ہے تو پھر سن لے' میں اس کی آمدنی کی نگرانی کرتا ہوں جو نکلتا ہے اس کا تہائی حصہ صدقہ کر دیتا ہوں' اور ایک تہائی میں اور میرے اہل و عیال کھاتے ہیں' اور تہائی حصہ اس میں صرف کر دیتا ہوں' ایک روایت میں ہے۔ اس کا تہائی حصہ مسکینوں سائلوں اور مسافروں کو دے دیتا ہوں۔"

اے مسلمان بھائی! جو بخل اور کنجوسی جیسی ردی حرکت ترک کرتا ہے اس کے عوض اللہ تعالیٰ سے بھلائی پاتا ہے۔[1]

---

[1] مسلم۔ کتاب الزھد: باب فضل الانفاق علی المساکین و ابن السبیل۔ (ح ۲۹۸۴) احمد (۲۹۶/۲)

ایثار کا سبق

علامہ واقدی سے منقول ہے کہ: میں سخت تنگدستی کا شکار ہو گیا ادھر رمضان المبارک بھی طلوع ہو چکا تھا' اور میرے پاس خرچہ نہ تھا۔ میں بہت دل برداشتہ ہوا' میں نے اپنے ایک دوست کو لکھا جو کہ علوی (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب) تھا۔ میں نے اس سے ایک ہزار درہم بطور قرض مانگے۔ اس نے ایک مہر زدہ تھیلی میں بند کر کے میرے پاس بھیجے' میں نے ان کو اپنے پاس رکھ چھوڑا۔

جب اس دن کا پچھلا پہر ہوا تو میرے پاس ایک دوست کا رقعہ آیا' وہ مجھ سے مطالبہ کر رہا ہے کہ میں اس سے رمضان المبارک کے لیے ایک ہزار درہم کا تعاون کروں۔ میں نے وہی تھیلی بمع مہر اس کی جانب بھیج دی۔ جب دوسرا دن ہوا تو میرے پاس میرا وہ دوست آیا جس نے مجھ سے قرض لیا تھا' اور اس کے ساتھ وہ علوی بھی آیا جس سے میں نے قرض مانگا تھا۔ علوی نے مجھ سے درہموں کے متعلق دریافت کیا' میں نے کہا: ''میں نے انہیں اہم کام میں صرف کر دیا ہے۔'' اس نے مہر والی تھیلی نکالی' اور مسکرانے لگا' کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! یہ ماہِ مبارک قریب آ رہا ہے اور میرے پاس صرف یہی درہم تھے۔ جب آپ نے میری جانب رقعہ لکھا تو میں نے آپ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ اس کے بعد میں نے اپنے اس دوست کو لکھا کہ مجھے ایک ہزار درہم قرض چاہیئے' تو اس نے یہی تھیلی مجھے ارسال کر دی۔ میں نے اس سے واقعہ پوچھا تو اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اب ہم آئے ہیں کہ اسے تینوں باہم مل کر تقسیم کر لیں۔ اور اس وقت تک خرچ کریں حتیٰ کہ ہمیں اللہ تعالیٰ فراخیٔ رزق دے کر کشادگی پیدا کر دیں۔

واقدی کہتے ہیں: میں نے ان دونوں سے کہا: ہمیں کیا معلوم ہم میں سے کون

زیادہ معزز ہے۔ ہم نے انہیں تقسیم کر دیا' اور رمضان المبارک کا مہینہ آن پہنچا۔ میں نے اپنے حصے سے بھی زیادہ خرچ کر دیا۔ میرا سینہ تنگ ہوا' اور میں بے چین سا ہو گیا۔ اپنے معاملہ میں غور و فکر کر رہا تھا کہ اسی دوران یحیٰی بن خالد برمکی نے اس دن کی سحری کا کھانا کھانے کا پیغام بھیج دیا۔ میں وہاں چلا گیا۔ میں وہاں پہنچا تو وہ مجھے کہنے لگا: "اے واقدی! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تو ایسی حالت میں ہے جو شدید غم کا پتہ دیتی ہے۔ لگتا ہے تُو سخت اذیت میں ہے۔ اپنا معاملہ کھول کر بیان کرو۔"

میں نے معاملہ کی وضاحت کر دی' یہاں تک کہ میں ہزار درہم والی تھیلی لے کر آنے تک پہنچا تو میں نے بتایا کہ میں نے کہا تھا "مجھے کوئی معلوم نہیں زیادہ معزز کون ہے۔" تو خالد نے میرے لیے تیس ہزار درہم کا حکم دیا کہ ان کو دیئے جائیں اور ان دونوں کو بیس ہزار کا حکم دیا اور ساتھ مجھے عہدۂ قضاء بھی تفویض فرمایا۔ یہ میرے لیے بڑا اعزاز تھا۔[1]

---

[1] الفرج بعد الشدة ج ۲ ص ۳۳۔

اطاعت کا صلہ

حمید بن ھلال ایک آدمی سے بیان کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے میں نبی ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے مجھے ایک گھر دکھایا اور فرمایا اس میں ایک عورت رہتی تھی۔ وہ مسلمانوں کے ایک لشکر کے ساتھ روانہ ہوئی تو اس کے پاس بارہ بکریاں اور ایک کپڑے کا تانا بانا درست کرنے والا کوچ تھا' جس کے ساتھ وہ کپڑا بنتی تھی۔ اس کے بعد اس عورت کی ایک بکری اور وہ کوچ گم ہو گئے۔ تو کہنے لگی :

"اے میرے پروردگار! تو نے ضمانت لے رکھی ہے کہ جو تیری راہ میں نکلے گا تو اس کی حفاظت کرتا ہے۔ میں نے بکری اور کوچ کھو دیا ہے۔ میں اپنی بکری اور کوچ تیرے پاس سے تلاش کرتی ہوں۔"

نبی ﷺ نے اس کا اپنے رب تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں جو رقت آمیز اندازِ مناجات تھا' اس کو بڑی اہمیت سے بیان کیا۔ اور فرمایا : "صبح کے وقت اس کی بکری اور کوچ ایک نہیں بلکہ دو دو اس کے پاس پڑے تھے۔ آؤ میں تمہیں اس عورت کے پاس لے چلوں۔" میں نے کہا : "نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ ! میں ویسے ہی آپ پر یقین رکھتا ہوں۔ کہ آپ سچے ہیں۔"[1]

---

[1] مسند احمد۔ (٦٧/٥)

صبر کے انعامات

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: سیدہ ام سلیم سے پیدا شدہ سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا فوت ہو گیا۔ ام سلیم نے گھر کہہ دیا: "بچے کی موت کا ابو طلحہ کو نہ بتانا، میں خود ہی بتاؤں گی۔

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آئے، ام سلیم نے انہیں شام کا کھانا پیش کیا۔ انہوں نے کھایا، پانی نوش کیا۔ پھر وہ بن سنور کر ان کے سامنے آئیں۔ ایسا شوخ شفنگ انداز انہوں نے کبھی پہلے نہ اپنایا تھا۔ سیدنا طلحہؓ کھانا کھا کر سیر شکم تھے، بیوی سے مقاربت کر لی۔ فراغت کے بعد بیوی کہنے لگی: "ابو طلحہ! بتائیں اگر کچھ لوگوں نے کسی گھر والوں سے کوئی چیز عاریتاً لی تھی اب وہ اسے واپس مانگتے ہیں، کیا وہ واپس کریں یا کہ نہیں؟" وہ کہنے لگے "نہیں! انہیں واپس کرنی چاہیئے۔" کہنے لگی "پھر بیٹا جدا ہو چکا ہے۔ اس تکلیف کو کار ثواب سمجھ کر صبر کرو۔" وہ کہنے لگے: "عجیب بات! یہ تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا، اب میں تیرے ساتھ آلودہ ہوا ہوں تو بعد میں میرے بیٹے کی فوتیدگی کی اطلاع دے رہی ہے۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اپنا واقعہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بارک اللہ لکما فی غابر لیلتکما۔ اللہ تعالیٰ تمہاری گزشتہ رات میں برکت کر دے۔ کہتے ہیں میری بیوی امید سے ہو گئی تو وقت آنے پر اس نے بچہ جنم دیا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "سیدنا ابو طلحہ نے مجھے حکم دیا تو میں بچہ اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ کچھ کھجوریں بھی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پکڑ لیا اور فرمایا: "پاس کوئی چیز ہے؟" میں نے کہا: "جی ہے، کھجوریں ہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ لیں اور چبائیں۔ پھر منہ سے نکالیں اور بچے کے منہ میں

رکھ دیں۔ یہ گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔" [1]

بخاری کی ایک روایت میں ہے سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کہتے ہیں : انصار کے ایک آدمی نے کہا : "میں نے دیکھا ہے کہ اس عبداللہ سے جو اس رات پیدا ہوا تھا) ان کے نو لڑکے تھے جو سب کے سب قرآن پاک کے حافظ تھے۔ [2] ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کا اس رات جو بیٹا فوت ہوا تھا اس کا نام ابو عمیر تھا۔ یہ وہی تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش طبعی فرماتے تھے۔ اس کی چڑیا مر گئی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش طبعی سے فرمانے لگے : یَا اَبَا عُمَیْرَ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ [3] اے ابو عمیر! آپ کی چڑیا نے کیا کیا ہے کہ مر گئی ہے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ابو طلحہ کی بیوی اس رات اُمید سے ہو گئیں۔ بیٹا ہوا تو اس کا نام عبداللہ رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے جس نے میری امت میں بھی' بنی اسرائیل کی صابرہ عورت کی مانند عورت پیدا کر دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی کہ اس کا کیا واقعہ ہے؟ آپ نے فرمایا : "بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی' اس کا خاوند تھا' اس سے اس کے دو بیٹے تھے' اس آدمی نے بیوی سے کہا کہ کھانا تیار کرو' میں لوگوں کی دعوت کرنا چاہتا ہوں۔" عورت نے کھانا تیار کر دیا' لوگ اس کے گھر اکٹھے ہو گئے۔ دونوں لڑکے کھیل کود میں لگ گئے' گھر میں ایک کنواں تھا (اچانک کھیلتے ہوئے) دونوں اس میں گر گئے' اس عورت نے گوارا نہ کیا کہ یہ اطلاع اپنے خاوند کو

---

[1] بخاری۔ کتاب العقیقۃ : باب تسمیۃ المولود غداۃ یولد ...... (ح ۵۴۷۰) مسلم۔ کتاب الاداب : باب استحباب تحنیك المولود ...... (ح ۲۱۴۴) و فی کتاب فضائل الصحابۃ : باب من فضائل ابی طلحۃ الانصاری رضی اللّٰہ عنہ' (ح ۲۱۴۴/۱۰۷)

[2] بخاری۔ کتاب الجنائز : باب من لم یظھر حزنہ عند المصیبۃ (ح ۱۳۰۱)

[3] بخاری۔ کتاب الادب : باب الانبساط الی الناس (ح ۶۱۲۹)

مسلم۔ کتاب الاداب : باب جواز تکنیۃ من لم یولد لہ (ح ۲۱۵۰)

دے کر اس کی مہمان نوازی میں خلل انداز ہو لہٰذا ان دونوں بیٹوں کو گھر میں رکھ کر چادر سے ڈھانپ دیا۔ جب مہمان فارغ ہو کر رخصت ہو گئے تو خاوند' بیوی سے کہتا ہے : "میرے بیٹے کہاں ہیں؟" بیوی نے کہا "وہ گھر میں ہی ہیں۔" اس صابرہ عورت نے خوشبو لگائی' اور بن سنور کر خاوند سے ملاقات کی اور وظیفۂ زوجیت ادا کیا' پھر کہا : "بتاؤ میرے بیٹے کہاں ہے؟" کہنے لگی : "وہ گھر ہی میں ہیں۔" ان کے باپ نے آواز دی تو وہ دوڑتے ہوئے آئے' عورت کہنے لگی : "سبحان اللہ! اللہ کی قسم! یہ تو فوت ہو گئے تھے لیکن اللہ نے میرے صبر و شکیبائی کی وجہ سے انہیں زندہ کر دیا ہے۔" [1]

---

[1] عیون المجالس ' طاہر بن حداد' برد الاکباد ص ۲۵۔

سچائی ہی ذریعۂ نجات ہے

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ' سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے بیٹے تھے۔ جب سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نابینا ہو گئے تو یہ اپنے والد محترم کو رستہ میں چلانے کی راہنمائی کیا کرتے تھے۔ یہ عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ تبوک کے متعلق کہ جس میں میرے والد صاحب شریک نہ ہوئے تھے' کا تفصیلی احوال ان کی زبانی سنا۔ میرے والد سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں کسی غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت سے کبھی پیچھے نہیں رہا صرف غزوۂ تبوک میں رہ گیا تھا۔ یا پھر غزوۂ بدر میں رہا۔ بدر میں شرکت نہ کرنے کی وجہ یہ تھی کہ اس میں شریک غزوہ نہ ہونے والے کو کوئی سرزنش نہ تھی' اس نرمی کی وجہ سے شریک نہ ہوا۔ کیونکہ غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد قریش کے قافلۂ تجارت کو پکڑنا تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کے اور آپ کے دشمنوں کے درمیان اتفاقاً مڈ بھیڑ کرا دی۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں عقبہ کی شب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہم اسلام پر جانثاری کے عہد و پیمان باندھ رہے تھے۔ اس وجہ سے میرے نزدیک اس عقبہ (گھاٹی) والی رات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرکت کرنا مجھے بدر میں شریک معرکہ ہونے سے بھی زیادہ محبوب ہے اگرچہ معرکہ بدر میں شرکت لوگوں کے ہاں زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرا واقعہ یوں ہوا کہ جب میں اس غزوہ تبوک سے پیچھے رہا تو اس وقت میں جتنا خوشحال اور صاحب قوت تھا' پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ اس سے پہلے میرے پاس کبھی تیز رو سواریاں میسر نہ آئی تھیں۔ اس غزوہ میں وہ بھی موجود تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ پہ جانے کا ارادہ کرتے تو (جنگی چال کے تحت) اس کے الٹ اور مخالف جانب اشارہ

فرماتے تھے۔ (کہ ہم لڑنے کے لیے اس طرف جائیں گے) اس غزوہ میں سخت گرمی تھی' لمبا سفر تھا اور بیاباں درمیان میں آتے تھے۔ اور بہت سے دشمنان اسلام رکاوٹ راہ تھے۔ آپ نے جس جانب روانہ ہونا تھا اس کا دو ٹوک اعلان فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ کے رفیقان سفر وفا کی تعداد بہت زیادہ تھی' یہاں تک کہ وہ کسی رجسٹر میں نہ سماتے تھے۔ سیدنا کعب کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی ان حالات میں پردۂ اخفا میں چھپنا چاہتا تو چھپ سکتا تھا' بغیر وحی کے اس کا راز افشاء نہ ہو سکتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جب اس غزوہ میں جا رہے تھے تو حالت یہ تھی کہ باغوں کے پھل تیار ہو چکے تھے۔ اور گرمی کی وجہ سے سائے بہت بھلے لگتے تھے۔ مسلمان رسول اللہ ﷺ کی معیت میں تیاری کر رہے تھے۔ میں خود بھی صبح و شام تیاری میں مصروف ہوا چاہتا تھا۔ مگر (غزوہ میں جانے کے متعلق) ابھی کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا۔ میں دل ہی دل میں کہتا: کوئی بات نہیں میں اس کی طاقت رکھتا ہوں کہ جب جانا چاہوں تیاری کر لوں گا' کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ یہ کوشش ہی سستی کا باعث بن گئی اور میں لمبا وقت سمجھتا رہا' اب رسول اللہ ﷺ اور مسلمان صبح میدان میں اترنے کے لیے جا رہے تھے جبکہ میں اپنی تیاری کا ابھی کوئی فیصلہ نہ کر سکا تھا' پھر کل بھی اسی طرح' حالانکہ میں نے کہا تھا کہ اگر میں آج تیاری کرتا ہوں تو پھر بھی ایک دو دن بعد میں لشکر سے جا ملوں گا۔ لشکر کے جانے کے بعد بھی میں نے تیاری کی کوشش کی مگر میں کوئی فیصلہ نہ کر سکا۔ میں آج کل ہی میں رہا اور لشکر برق رفتاری سے جانب تبوک چلا گیا اور یوں غزوہ میں شرکت کے معاملہ میں مجھ سے کوتاہی سرزد ہو گئی۔ بعد میں بھی میں نے ارادہ کیا کہ ابھی کوچ کر جاؤں اور لشکر کو جا ملوں' کاش کہ میں ایسا کر لیتا۔ مگر میرے نصیب میں ایسا کرنا نہ تھا۔

اب رسول اللہ ﷺ کے سفر تبوک پہ روانہ ہونے کے بعد' جب میں لوگوں میں گھومتا تو مجھے یہ دیکھ کر بہت غم و اندوہ ہوتا کہ مدینہ میں غزوہ سے پیچھے یا تو وہ لوگ تھے جو منافقت کی بدخصلت میں مبتلا تھے یا پھر وہ لوگ تھے جن کو نحیف و لاغر ہونے

کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا تھا۔

ادھر مجھے پتہ چلا کہ میری غیر حاضری کا علم رسول اللہ ﷺ کو تبوک میں پہنچ کر ہوا تھا۔ آپ نے وہاں لوگوں سے کہا: "پتہ نہیں کعب نے کیا کیا ہے۔ کیوں شریک نہیں ہوا؟" بنو سلمہ کے ایک آدمی نے کہا:

"اس کی دو چادروں نے اسے روک لیا ہے۔" یعنی وہ بہترین پوشاک زیب تن کئے ہو گا' یہ تن آسانی اسے کیسے جنگ سامانی میں آنے دیتی؟ وہ تو خوبصورت لباس میں کندھوں کو تاک رہا ہو گا۔ اسے کیا پڑی ہے کہ یہاں آتا پھرتا؟" سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: "بھائی! آپ نے بہت نامناسب گفتگو کی ہے۔ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں تو ان کے متعلق نہایت ہی حسن ظن ہے۔" رسول اللہ ﷺ خاموش تھے اپنے کسی قسم کے تاثرات ظاہر نہ کر رہے تھے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ مجھے یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لانے ہی والے ہیں۔

میں تو غم اور فکر کے سمندر میں ڈوب گیا' جھوٹے بہانوں کی ایک ریل میری یاد داشت میں چلنے لگی اور میری سوچ کا محور ہی یہ تھا کہ کل میں رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی سے کیسے بچ سکتا ہوں؟ اس بارے میں جو بھی میرے اہلِ خانہ سے صاحب رائے تھا' سے مشورہ کیا کہ میں کیا کروں۔ کیسی بات بناؤں؟ جب رسول اللہ ﷺ کی آمد کا وقت بالکل قریب ہوا تو جو بھی جھوٹی ملمع سازی کے خیال تھے سب دور ہو گئے۔ اور مجھے یقین ہو گیا کہ میں جھوٹ کے ذریعہ کبھی بھی اس جنجال سے نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا میں نے سچ بولنے کا دلی ارادہ کر لیا۔ جب صبح رسول اللہ ﷺ واپس مدینہ میں تشریف لائے تو اپنی عادت مبارکہ و مالوفہ کے مطابق سفر سے مراجعت کے بعد سب سے پہلے مسجد نبویؐ میں داخل ہوئے' اس میں دو رکعت نماز ادا کی اور عوام الناس سے میل ملاقات کے لیے بیٹھ گئے۔ جو غزوہ سے پیچھے رہنے والے تھے وہ رسالت مآب کی دہلیز پہ آئے عذر گھڑنے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ کوئی اسی (۸۰)

آدمی تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ظاہری حالات قبول کر کے ان سے بیعت لیتے اور ان کے لیے دعائے مغفرت فرما کر ان کو رخصت کر دیتے اور اندرونی حالات ان کے اللہ کے سپرد کر دیتے۔

جب میں (کعب بن مالک) آپ کے ہاں حاضر ہوا' اور سلام کیا تو آپ ﷺ زیر لب مسکرائے مگر اس مسکراہٹ میں غضبناکی کی جھلک نمایاں نظر آ رہی تھی' اور فرمایا: "اے کعب بن مالک! پیچھے کیوں رہ گئے تھے۔ کیا سواری نہ خرید رکھی تھی؟" میں نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے ایسی قوتِ گویائی دی گئی ہے کہ اگر میں آپ کے علاوہ کسی دنیا کے باسی کے سامنے بات چیت کرنے بیٹھا ہوتا تو ایسا عذر پیش کرتا کہ وہ خوش ہو جاتا اور میں اس کی ناراضگی سے پہلوتہی کرتے ہوئے بچ نکلتا لیکن اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں مجھے معلوم ہے میں جس ہستیٔ باصفا کے سامنے بیٹھا ہوں اگر آج غلط بیانی اور چرب لسانی سے کام لے کر آپ کو راضی کر لوں گا' عنقریب اللہ تعالیٰ (وحی کے ذریعہ) آپ کو حقیقت حال سے روشناس کروا کے میری کذب بیانی کی وجہ سے ناراض کروا دے گا۔ اور میں عجیب کشمکش میں ہوں کہ اگر میں سچ بات کرتا ہوں تو آپ مجھ پر ناراض ہوں گے' لیکن صداقت بیانی میں مجھے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عفو و درگزر کی امید ہے۔ آقا! اللہ کی قسم! آپ سے پیچھے رہنے میں میرا کوئی عذر نہیں' مجھے اللہ تعالیٰ جو حالات کی سازگاری اور قوت بازو اب عطا کی ہے یہ پہلے کبھی بھی میسر نہیں آئے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس نے سچ بولا ہے۔ تاہم چلے جائیں اب اللہ پاک کے حکم کا انتظار کریں۔" کہتے ہیں وہاں سے چل دیا تو بنو سلمہ قبیلہ کے کئی مردان باوفا میرے پیچھے ہو لئے اور مجھے کہنے لگے:

"اے کعب! ہماری معلومات کے مطابق یہ آپ کا پہلا جرم تھا' آپ نے اس سے پہلے کبھی گناہ نہیں کیا۔ کیا آپ ان عذر پیش کرنے والوں سے بھی بے بس ہیں' آپ نے بھی کوئی عذر رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کر دینا تھا۔ آپ کے اس عذر

لغزش کی سنگینی مٹانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کا استغفار کرنا ہی کافی ہوتا۔ سیدنا کعب فرماتے ہیں: انہوں نے مجھے اتنا ابھارا کہ میں بیان بدلنے پہ آمادہ ہو گیا۔ مگر بڑی مشکل سے میں نے خود پر قابو رکھا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا: "اس معاملہ میں کوئی میرے اور ساتھی بھی زیرِ عتاب ہیں یا کہ نہیں۔" انہوں نے بتایا کہ: "ہاں دو آدمی اور بھی ہیں۔ انہوں نے بھی آپ کی مانند سچائی کا راستہ ہی اختیار کیا ہے۔ اور انہیں بھی آپ ہی کی مانند جواب ملا ہے۔" میں نے کہا: "وہ کون ہیں؟" لوگوں نے بتایا کہ: "مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی۔" جن دو آدمیوں کا مجھے پتہ چلا یہ دونوں بدری تھے۔ میں نے انہیں اپنے لیے اسوۂ و نمونہ قرار دیا کہ ان کا سن کر مجھے کچھ حوصلہ ہوا' اور میں گھر چل دیا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے ہم تینوں سے لوگوں کو بائیکاٹ کرنے کا حکم جاری فرما دیا۔ لوگوں نے فوراً اس پر عمل درآمد کیا اور ہمارے ساتھ گفتگو سے اجتناب کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے چہرے تبدیل ہو گئے۔ حالت یہ ہو گئی کہ مدینہ طیبہ کی سرزمین ہمارے لیے یوں اجنبی ہو گئی جیسا کہ ہم پہلے اس سے ناآشنا تھے۔

ہم اسی حالت پر پچاس دن رہے۔ میرے دونوں ساتھی تو ہمت ہار کر گھروں میں بیٹھ گئے اور زار و قطار رونے لگے' میں ان کی بہ نسبت مضبوط اور نوجوان تھا' میں باہر آتا اور مسلمانوں کے ساتھ شریک عبادت ہوتا تھا اور بازاروں میں گھوم گردش کر لیتا تھا' مگر مجھ سے کوئی بات کرنے پہ آمادہ و تیار نہ تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کے ہاں حاضر ہوتا سلام کہتا۔ جب آپ اپنی نماز کے بعد نشست پر براجمان ہوتے اور میں دل میں کہتا شاید آپ کے مبارک لبوں نے جواب لوٹانے کے لیے جنبش فرمائی ہے یا کہ نہیں؟ اور میں آپ کے قریب ہی نماز ادا کرتا اور کن اکھیوں سے نظریں چرا کر دیکھتا۔ جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو آپ مجھ پر نظرِ عنایت کرتے اور جب میں متوجہ ہوتا تو آپ رخِ زیبا مجھ سے پھیر لیتے۔ جب ساتھیوں کی بے رخی طویل ہو گئی تو میں ایک باغ کی دیوار پر چڑھ گیا جو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کا باغ تھا۔ یہ میرے چچا کے بیٹے اور بہت ہی پیارے دوست بھی تھے۔ میں نے سلام کیا تو انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: "ابو قتادہ میں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا آپ کو پتہ ہے نا کہ میں اللہ

تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہوں۔" وہ اب بھی خاموش تھے۔ میں نے دوبارہ اللہ کا واسطہ دیا وہ پھر خاموش تھے۔ میں نے سہ بارہ اللہ کا واسطہ دیا مگر ان کی مہر خاموشی ٹوٹتی نہ تھی' بس یہی کہا: "اللہ یا پھر اس کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" اس کی اس بے اعتنائی پر میری آنکھوں سے آنسو جھلک پڑے' میں دیوار سے اتر آیا اور واپس ہو لیا۔ کہتے ہیں: اس دوران مدینہ کے بازاروں میں سرگرداں پھر ہی رہا تھا کہ ایک جٹ جس کا تعلق شام کے جاٹوں کے ساتھ تھا' وہ مدینہ میں اپنا اناج فروخت کرنے آیا تھا' کہہ رہا ہے: "کون ہے جو مجھے بتائے کہ کعب بن مالک کہاں ہے؟"

لوگوں نے میری جانب اشارے کر کے اسے آگاہ کر دیا' جب وہ میرے نزدیک آیا تو اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط جو میرے نام تھا' مجھے دیا۔ اس میں یہ درج تھا:

> "مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ کے ساتھی محمد ﷺ نے آپ سے بے رخی اختیار کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنا بے وقعت نہیں بنایا کہ آپ یونہی ان گلیوں میں بے کار ضائع ہو جائیں۔ آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں' ہم آپ کی آپ کے شایان شان خاطر داری کریں گے۔"

جب میں نے یہ خط پڑھا تو خیال کیا کہ یہ بھی ایک سخت آزمائش ہے۔ جاٹ کے سامنے ہی میں وہ رقعہ لے کر تنور پر پہنچا اس میں جلا کر خاکستر بنا دیا۔ یہی اس کا جواب تھا۔

جب چالیس روز بیت گئے تو اچانک کیا دیکھتا ہوں رسول اللہ ﷺ کا ایک پیغام رساں میرے ہاں آتا ہے اور کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے کہ بیوی سے علیحدہ ہو جائیں۔ میں نے کہا: "کیا کروں۔ طلاق دوں یا......" اس نے کہا: "نہیں اس سے علیحدہ رہو قریب مت جانا۔" اور میرے دونوں ہمنواؤں کے پاس بھی یہی پیغام پہنچ گیا۔ میں نے بیوی سے کہا: "اپنے میکے چلی جاؤ' وہیں رہو جب تک اللہ پاک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہ فرما دیں وہیں رہنا۔ ھلال بن امیہ کی بیوی تو رسول اللہ ﷺ

کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی: "اے اللہ کے رسول ﷺ! ھلال بن امیہ ایک بوڑھا کھوسٹ ہے۔ اس کا کوئی خادم بھی نہیں۔ کیا آپ ناپسند تو نہ فرمائیں گے اگر میں اس کی خدمت کر سکوں۔" آپ نے فرمایا: "نہیں! لیکن ایک خیال رکھنا وہ تمہارے قریب نہ آئے۔" کہنے لگی: "اللہ کی قسم! وہ تو بے حس و حرکت پڑے ہیں اور مسلسل رو رہے ہیں۔ وہ بھلا کیا قریب آئیں گے۔"

سیدنا کعب فرماتے ہیں: گھر والوں میں سے مجھے ایک نے یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیوی کے بارے میں اجازت طلب کر لیں۔ جس طرح ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کے لیے اجازت مانگی ہے۔ میں نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں رسول اللہ ﷺ سے اس بارے میں اجازت طلب نہیں کروں گا' مجھے کیا معلوم! میری اجازت طلبی پر رسول اللہ ﷺ کا کیا رد عمل ہو گا۔ کیونکہ وہ تو بوڑھے تھے میں تو جوان ہوں۔" بعد ازاں کہتے ہیں: دس راتیں بیتی تھیں ہم سے بائیکاٹ کے پچاس روز جب مکمل ہو گئے تو میں چھت پر فجر کی نماز پڑھ چکا تھا اور ذکر الٰہی میں مشغول تھا۔ مگر حالت یہ تھی کہ میں اپنی جان سے بھی تنگ پڑ گیا تھا' اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود مجھ پر تنگ ہو رہی تھی۔ کہ اچانک میں نے سلع پہاڑ کی جانب سے سنا کہ ایک پکارنے والا اس پر چڑھ کر پکار رہا ہے: "اے کعب! خوش ہو جاؤ!۔" کعب کہتے ہیں: میں وہیں سجدہ ریز ہو گیا' مجھے یقین تھا کہ اب تنگی کی تاریک شب ختم ہو گئی ہے اور کشادگی کے دن آ گئے ہیں۔ نمازِ فجر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ہماری توبہ کا اعلان فرمایا۔ لوگ ہمیں مبارک بادیں دینے لگے۔ اور میرے ساتھیوں کے پاس بھی خوشخبری دینے والے چلے گئے' اور میری جانب ایک سوار ایڑ لگائے گھوڑا دوڑاتا ہوا آیا اور پہاڑ پر چڑھ دوڑا اور مبارکباد دینے لگا۔ آواز اس کے گھوڑے سے بھی زیادہ تیز رفتار تھی۔ جب میرے پاس خوشخبری دینے والا پہنچا تو میں نے اسے اپنا لباس اتار کر دے دیا اور اس کی نوید مسرت دینے کے عوض اسے پہنا دیا۔ اس کے سوا میرے پاس اس وقت اور کوئی چیز میسر نہ تھی۔ میں نے مانگ کر لباس زیب تن کیا اور رسول اللہ ﷺ کی جانب چل دیا۔ لوگوں کے گروہ در گروہ مجھے مل رہے تھے اور توبہ کی قبولیت پر مجھے مبارکباد دے رہے تھے۔ اور دعا

دیتے ہوئے کہتے تھے: اللہ تعالیٰ نے جو تیرے اوپر توبہ کی عنایت کی ہے اسے اور خوشگوار بنائے۔" سیدنا کعب فرماتے ہیں:

میں اسی استقبال و تبریک اور آفرین کی چھاؤں میں چلتا ہوا مسجد نبوی میں داخل ہوا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپ کے گرد لوگ جمع ہیں' سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر پرتپاک انداز پر مجھ سے مصافحہ کرتے ہیں اور ہدیہ' تبریک پیش کرتے ہیں' مہاجرین میں سے ان کے علاوہ مجھے اور کوئی ایسے جوش و خروش سے نہ ملا تھا۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا یہ اندازِ ملاقات میری لوح دل سے کبھی نہ مٹے گا۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے داخل ہوتے ہی رسول اللہ ﷺ کو سلام کہا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جبکہ مسرت و شادمانی کا نور آپ کے رخ انور پر برقی رو کی مانند بہہ رہا تھا: "اے کعب! جب سے تیری ماں نے تجھے جنم دیا ہے اس سے بہتر دن تجھے نصیب نہ ہوا ہو گا۔ لہٰذا آج خوش ہو جا۔"

میں نے عرض کی: "یہ میرے پیارے رسول ﷺ کی جانب سے روزِ خوش کن ملا ہے یا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا ہوا ہے۔" آپ نے فرمایا: نہیں! یہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔" اور قابل ذکر یہ بات ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو پیغام مسرت افزا ملتا تو آپ کا رخ زیبا اس قدر نور برسانے لگتا تھا گویا کہ ماہتاب کا ٹکڑا ہے۔ یہ آپ کی پہچان تھی۔ جب میں آپ کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا۔ میں نے کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! میری توبہ ہی کا یہ حصہ سمجھیں کہ میں اپنا مال اللہ تعالیٰ اور پھر رسول اللہ ﷺ کے لیے بطور صدقہ سونپ دیتا ہوں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہتر یہی ہے کہ مال کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھو۔" میں نے کہا: "میں اپنا خیبر والا حصہ رکھ لیتا ہوں۔"

پھر میں نے عرض کی: "اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے سچائی کی بدولت نجات ملی ہے۔ یہ بھی میری توبہ کا جزء ہے کہ پوری زندگی میری نوک زباں سچ ہی جاری ہو گا۔ سیدنا کعب فرماتے ہیں میں حلفاً کہتا ہوں میری معلومات کے مطابق شاید ہی کوئی مسلمان سچائی کی آزمائش میں پورا اترا ہو گا جتنا کہ میں پورا اترا ہوں۔ جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ کے رو برو یہ عہد کیا ہے تب سے لے کر آج تک میں نے

جھوٹ کا ارادہ تک بھی نہیں کیا۔ اور مجھے کامل امید ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے بقیہ زندگی بھی محفوظ رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر ہمارے بارے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّا اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (التوبہ: ۹/۱۱۷۔۱۱۹)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کو معاف کر دیا اور مہاجرین اور انصار کو جنہوں نے سخت وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا (اور ساتھ بھی دیا تو ایسے وقت میں) جب کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا گئے تھے۔ پھر اللہ نے ان کو (دوبارہ) معاف کیا کیونکہ وہ ان پر بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے اور (اللہ نے) ان تین شخصوں کو (بھی معاف کر دیا) جو ڈھیل میں ڈال دیئے گئے تھے۔ یہاں تک کہ جب زمین (اتنی) کشادہ ہونے کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جان ان پر دو بھر ہو گئی اور وہ سمجھ گئے کہ اللہ کے (عذاب یا غصے سے) کہیں پناہ نہیں مگر اسی کے پاس۔ تب اللہ نے ان پر کرم کیا (یا ان کو توبہ کی توفیق دی) تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ مسلمانوں اللہ سے ڈرو (اس کے پیغمبر کے خلاف نہ کرو) اللہ سے۔ اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔"

اے ایماندارو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! مجھ پر اللہ تعالیٰ کا اسلام کے بعد سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ جو میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ کہا تھا' میں نے جھوٹ نہ کہا۔ کیونکہ

میں نے بھی جھوٹوں کی مانند تباہ ہو جاتا تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولنے والوں کو بہت ہی برا قرار دیا ہے' اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ وَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ (التوبہ: ۹/۹۵۔ ۹۶)

"(مسلمانو) اب کوئی دن میں جب تم اُن کے پاس لوٹ جاؤ گے تو تم سے وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ ان سے درگزر کرو۔ اچھا تو تم ان سے الگ ہی رہو۔ کیونکہ وہ گندے (ناپاک) ہیں اور جو وہ (دنیا میں) کرتے تھے اس کے بدلہ میں ان کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے۔ وہ قسمیں اس لیے کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ پھر اگر تم ان سے راضی بھی ہو جاؤ تو اللہ تو (ان) شریر (بدکار) لوگوں سے راضی نہیں ہو سکتا۔"

سیدنا کعب فرماتے ہیں: ہم تینوں تھے جن کا معاملہ مؤخر کیا تھا جبکہ ان منافقوں نے آپ کے سامنے قسمیں کھائیں تو ان کی بات آپ نے قبول کر لی۔ ان سے بیعت لی اور استغفار کیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے حق میں فیصلہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک نے کہا۔ "وہ تین جن کا معاملہ مؤخر کیا گیا۔" اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا غزوۂ تبوک میں مؤخر رہنے کا ذکر کیا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کے سامنے جھوٹی قسمیں اٹھائیں اور عذر لنگ پیش کئے تو انہیں آپ نے قبول فرما کر چھوڑ دیا تھا۔ دیر نہیں کی تھی' ان کی بہ نسبت ہماری توبہ کا معاملہ مؤخر رہا تھا۔ [1]

---

[1] بخاري۔ كتاب المغازي: باب حديث كعب بن مالك (ح ۴۴۱۸)

مسلم۔ كتاب التوبة: باب حديث توبة كعب بن مالك و صاحبيه رضي الله عنهم (ح ۲۷۶۹)

حسن سلوک کا انعام

شریف ابوالحسن' محمد بن عمر علوی کہتا ہے: خوست کے قلعہ میں نظر بند تھا جو فارس کے علاقہ نیشاپور کے گرد و نواح میں واقع تھا۔ عضد الدولۃ خلیفہ نے مجھے وہاں قید کیا ہوا تھا۔ قلعہ کا نگران' جس کے میں سپرد کیا گیا تھا وہ مجھ سے بہت مانوس تھا' وہ مجھے باتیں سنایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے مجھے واقعہ سنایا کہ یہ قلعہ جس میں تو نظر بند ہے یہ اس علاقے کے ایک چرواہے کی ملکیت میں تھا۔ پھر وہ ڈاکوؤں کا لیڈر بن گیا اور اس پر غالب آگیا اور اس نے اسے پناہ گاہ بنا لیا کہ چور اس میں اکٹھے ہوتے رہے۔ ان چوروں کے ذریعہ وہ اس علاقے میں غارتگری کرواتا تھا۔ ڈاکو نکلتے' راہزنی کرتے' بستیوں کو تاراج کر کے اور فساد بپا کر کے واپس اس قلعے میں لوٹ آتے۔ ان سے بچاؤ کی کوئی تدبیر ممکن نہ ہو سکتی تھی۔ ابوالفضل بن عمید نے کافی مدت ان کا محاصرہ کئے رکھا' اسے فتح کیا اور عضد الدولۃ کے حوالہ کر دیا۔ ابوالفضل کے محاصرہ کے دوران یہ چور قلعہ سے نیچے اترتے اور اس سے جنگ آزما ہوتے۔ ایک حملہ کے دوران تقریباً پچاس آدمیوں چوروں کو ابوالفضل پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کا اراد تھا کہ ان سب کو قتل کر دے تاکہ قلعہ کے اندر والے مرعوب ہو جائیں۔[1]

یہ قلعہ ایک بہت بڑے پہاڑ پر تھا' ابوالفضل اس قلعے کے برابر دوسرے پہاڑ پر ٹھہرا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ تمام اسیروں کو قلعہ والے پہاڑ کی چوٹی پر سے پھینک دیا جائے تاکہ ان میں سے ہر ایک زمین تک پہنچتے ہوئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے' پہاڑ

---

[1] یہ ۳۹۰ میں فوت ہوئے تھے۔ طالبین گروہ کا یہ پیشوا تھا دولت و ثروت والا اور جاہ منصب والا تھا۔ عوام اس کی بات مانتے تھے' قید و بند میں رہا۔ کچھ وقفہ بعد رہا ہو کر پھر نمودار ہوا۔ (المنتظم)

اور پتھروں کی ابھری ہوئی نوکیں اسے پارہ پارہ کر دیں۔

اس نے ہر ایک کے ساتھ یہی سلوک کیا' یہاں تک کہ ایک نوجوان کی باری آئی۔ جس کی جوانی کا شباب ابھی اپنی رعنائیوں کا آغاز کر رہا تھا۔ جب اسے پھینکا گیا تو وہ زمین تک صحیح سلامت پہنچ گیا۔ اسے خراش تک نہ آئی تھی' اور اس کی مشکیں جس رسی سے باندھی تھیں وہ رسی بھی کٹ گئی' وہ نوجوان اپنی بیڑیوں میں خود چل کر رہائی کا طلب گار ہوا۔ دیلمیون اور ابوالفضل کے فوجیوں نے یہ منظر حیرت زا دیکھ کر عظمت کا اظہار کرتے ہوئے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور قلعہ والے بھی نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے کہ یہ بچ کس طرح گیا ہے !!!؟

ابوالفضل غصہ سے بھر گیا اور نوجوان کو واپس لوٹانے کا حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ' اور اسے لانے والا نیچے اترا' ابوالفضل نے حکم دیا کہ اس مشکیں کس دو اور دوبارہ پہاڑ کی چوٹی سے پٹخ دو' مگر حاضرین نے مطالبہ کیا کہ اس نوجوان کو معاف کر دیا جائے' لیکن ابوالفضل نے ایسا نہ کیا۔ لوگوں نے زیادہ ہی اصرار کیا تو ابوالفضل نے قسم کھا لی کہ وہ دوبارہ اسے ضرور بر ضرور پھینکے گا' تو لوگ خاموش ہو گئے۔ جب دوبارہ اسے پھینکا گیا تو نوجوان زمین تک پہنچا اور صحیح سلامت چلنا شروع ہوا۔ اب تکبیر و تہلیل کی گونج پہلے سے بھی زیادہ بلند آواز میں اٹھی۔ حاضرین نے کہا: "اب اس کے بعد کوئی جواز نہیں' لہٰذا اسے معاف کر دیں۔" بعض تو آبدیدہ ہو کر سفارش کرنے لگے۔ ابوالفضل خود بھی شرمندہ ہوا مگر وہ تعجب کے دریا میں غرق تھا۔ اس نے حکم دیا کہ اسے بلا روک ٹوک امن و سکون سے چھوڑ دو۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ حکم دیا کہ اس کی بیڑیاں اتار دی جائیں اور لباس پہنایا جائے لہٰذا اسے لباس پہنایا گیا۔ اب اس نے نوجوان سے کہا: "اے جوانِ رعنا! تیرا جو اپنے اللہ سے خفیہ تعلق ہے جو تیری نجات کا باعث بن رہا ہے۔ وہ مجھے سچ سچ بتا دے۔" اب اس نوجوان نے کہا: "مجھے اپنی نجات کے باعث کا زیادہ علم تو نہیں۔ مجھے یہ معلوم ہے میں ابھی نوخیز لڑکا تھا' اپنے اس استاذ کے پاس تھا جو ابھی قتل ہوا ہے۔ جو مجھے اپنے ساتھ لے کر جایا

کرتا تھا' اور ہم ڈاکہ ڈالا کرتے تھے' اور رستہ میں خوف و دہشت پھیلایا کرتے تھے اور قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم رکھتے تھے۔ ہم عزتیں پائمال کیا کرتے تھے۔ عورتوں کے ساتھ رو سیاہی کرتے تھے۔ جو کچھ ملتا ہم چھین لیتے تھے۔ اگر میں اس کی حکم عدولی کرتا تو مجھے اذیت دیتا اور قتل کی دھمکیاں دیتا تھا۔ ابوالفضل نے کہا: کیا تو نماز روزہ کا پابند تھا؟"

نوجوان نے کہا: "مجھے نماز روزے سے کوئی آشنائی نہ تھی نہ ہی ہم میں سے کوئی روزہ رکھا کرتا تھا۔" ابوالفضل نے کہا: "افسوس ہے پھر تجھے اس ہولناک موت کی وادی سے اللہ تعالیٰ نے کس عمل کے ذریعہ بچایا ہے !! کیا کوئی صدقہ و خیرات کیا کرتا تھا؟"

نوجوان نے کہا: "ہمارے پاس صدقہ لینے آتا کون تھا۔ ہم تو خود ڈاکو تھے؟"

ابوالفضل نے کہا: "غور و فکر کر اور کچھ یاد کر جو بھی تو نے کیا ہے مجھے بتا دے خواہ معمولی ہو۔" نوجوان نے کچھ سوچا' پھر بولا: "ہاں ! میرے استاد نے چند سال پہلے ایک آدمی قیدی بنا کر میرے سپرد کیا تھا' راستے میں سے اسے گرفتار کیا تھا' اس سے سب کچھ چھین لیا اور قلعہ پر لے آیا۔ اور کہنے لگا۔ "اپنا گھر باہر والا تمام مال جس کا تو مالک سب دے کر جان بچالے وگرنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔" آدمی نے کہا: "اس دنیا میں میرا جتنا بھی مال تھا وہ تو نے لے لیا ہے۔ اور اب کسی چیز کا میں مالک نہیں۔" اس استاد نے اسے بہت سزائیں دیں لیکن وہ کوئی یقین دھانی نہ کرا رہا تھا۔ پھر ایک دن تو سزا میں انتہا کر دی' مگر وہ آدمی بہت ہی مضبوط قسمیں کھاتا رہا کہ اس کے سوا میرے پاس دنیا میں اور کوئی مال نہیں اور شہر میں جہاں میں رہتا ہوں وہاں صرف اہل و عیال کا خرچہ ہی ہے۔ تقریباً وہ بھی ایک ماہ تک چل سکتا ہے۔ باقی میں نے واپس جا کر دینا تھا۔ اب تو میرے اور اہل و عیال کے لیے صدقہ لینا بھی حلال ہو گیا ہے۔ جب آدمی موت کی آغوش میں اترنے والا ہوا اور میرے استاد کو یقین ہو چکا تھا کہ یہ سچا ہے تو مجھے کہا: "اسے نیچے لے جا اور فلاں جگہ لے جا کر اسے ذبح کر دے اور

اس کا سر میرے پاس لے آ۔

نوجوان کہتا ہے: میں نے اس آدمی کو پکڑ لیا اور قلعہ سے نیچے اتارا' جب اس نے دیکھا کہ میں اسے کھینچ کر لے جا رہا ہوں تو کہنے لگا: "مجھے کہاں لے کر جا رہا ہے؟ اور تو میرے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے؟" میں نے بتا دیا کہ میرے استاد نے تیرے بارے میں یہ حکم دیا ہے۔" وہ بے چارہ سخت آہ و بکا کرنے لگا۔ پیٹتا تھا گریہ زاری کرتا تھا' میرے سامنے اللہ کا واسطہ ڈالتا تھا کہ میں استاد کی بات پر عمل نہ کروں' کہنے لگا: "میری چھوٹی چھوٹی بیٹیاں ہیں' میرے سوا ان کا خیال رکھنے والا اور کمانے والا اور کوئی نہیں۔ مجھے خوف الٰہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ترس کھانے کی درخواست کرنے لگا اور بتانے لگا کہ جو مسلمان بھائی کی مصیبت دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے کیا صلہ دیتے ہیں! اس طرح اس کی کوشش یہ تھی کہ میں اسے آزاد کر دوں۔

آزاد مجھے کر دے او قید کرنے والے
میں بے گناہ ہوں قیدی مجھے چھوڑ کر دعا لے

لڑکا کہتا ہے: اس کی اس رقت انگیز منت سماجت سے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں جوش رحمت پیدا کر دیا مگر میں نے اس سے کہا: "اگر میں تیرا سر نہ لے کر گیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا اور پھر تجھے بھی پکڑ کر قتل کر دے گا۔"

وہ قیدی کہنے لگا: "اے جوانِ رعنا! مجھے آزاد کر دے اور استاد کے پاس کچھ دیر بعد چلے جانا' اتنی دیر میں میں بھاگ جاؤں گا' وہ مجھے نہ پا سکے گا اور اگر وہ بالفرض پا بھی لے گا تو تُو میرے خون ناحق سے سبکدوش ہو گا۔ امید ہے تیرا استاد تجھ سے محبت کی وجہ سے تجھے قتل نہیں کرے گا۔ اس طرح تو بہت زیادہ اجر پا سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کی حسن کارکردگی ضائع نہیں کرتے۔" اس کی ان باتوں سے میری رقت قلبی میں اور اضافہ ہوا' میں نے ایک تجویز دی کہ: "ایک پتھر لے' اور میرے سر میں مار دے' اتنا اندازے سے مارنا کہ میرا خون رواں ہو جائے۔ بعد میں میں یہاں بیٹھا رہوں گا۔ جب مجھے یقین ہو جائے گا کہ تو چند میل دور چلا گیا ہے تو میں پھر قلعہ

میں جاؤں گا۔" قیدی کہنے لگا: "میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اپنی رہائی کا تجھے یہ صلہ دوں کہ تیرا سر زخمی کر جاؤں۔" میں نے کہا: "میری اور تیری رہائی کا اس کے علاوہ حل اور کوئی نہیں۔ بس یہی ایک حل ہے۔"

میرے حکم پر اس نے عمل کیا۔ زخمی سر چھوڑ کر وہ مجھ سے اڑتا ہوا دوڑ گیا جبکہ میں اسی جگہ بیٹھا رہا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ کافی میل دور چلا گیا ہے تو میں خون میں نہایا ہوا اپنے استاد کے پاس آیا۔ تو وہ کہنے لگا: "کیا ہوا' اس کا سر کہاں ہے؟" میں نے کہا: "آپ نے تو کوئی جن میرے سپرد کیا تھا' وہ کوئی آدمی نہیں تھا۔ جب صحراء میں پہنچا تو اس نے مجھے دبوچ لیا' مجھے زمین پر پھینک کر میرا سر پتھر سے پھوڑ کر بھاگ نکلا ہے۔ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں اور میں غشی کی حالت میں اب تک وہیں پڑا رہا۔ جب میرا خون چلنا بند ہوا اور قوت بحال ہوئی تو میں حاضر ہو گیا ہوں۔" استاد نے لوگوں کو اس کے پیچھے دوڑایا۔ دوسرے دن تک وہ اس کی تلاش میں رہے مگر اس کا نشان تک نہ پایا۔ پھر ناکام واپس لوٹ آئے' (اس کے بعد اس مفرور قیدی کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا' اس کا کیا بنا؟ مجھے کچھ معلوم نہیں) لڑکا کہنے لگا: "اگر میرے کسی عمل کی وجہ سے مجھے آج اللہ تعالیٰ نے اس المناک موت سے بچایا ہے تو وہ یہی عمل ہو سکتا ہے۔"

ابوالفضل نے اس جوانِ رعنا کو اپنے مقرب ساتھیوں میں شامل کر لیا اور اپنے خصوصی معاملات کے لیے منتخب کر لیا۔

بے مثال احسان کا انعام

انسپکٹر جنرل پولیس عباس بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں امیر المومنین مامون الرشید کے ایوان خاص میں داخل ہوا تو انہوں نے فرمایا: عباس!

(میں نے کہا) لبیک یا امیر المومنین۔

اسے لے جاؤ اور علی الصبح میرے دربار میں پیش کرنا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بیڑیوں، ہتھکڑیوں اور زنجیروں سے جکڑا ہوا بے حس و حرکت پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے ماتحت پولیس ملازمین کو حکم دیا اور وہ اسے اٹھا کر حوالات کی طرف چلنے لگے۔ معاً مجھے خیال آیا کہ امیر المومنین نے جس غیظ و غضب اور سختی سے اسے حراست میں رکھنے اور علی الصبح پیش کرنے کا حکم دیا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ میں اسے پولیس ملازمین کے سپرد کرنے کی بجائے اپنے گھر اپنی نگرانی میں رکھوں۔ چنانچہ میرے حکم کے مطابق ملازمین اسے میرے گھر میں نظر بند کر کے چلے گئے۔ پھر رات گزرنے کے بعد میں نے اسے بلایا اور اس سے پوچھا:

عباس: تو کون ہے؟ تیرا نام کیا ہے؟ اور تو کہاں سے آیا ہے اور تیرا قصور کیا ہے؟

قیدی: میں دمشق کا رہنے والا ہوں۔

عباس: اللہ رب العزت دمشق اور اس کے اندر رہنے والوں کو خیریت سے رکھے۔ تم کون سے قبیلے اور کس گھرانے سے تعلق رکھتے ہو؟

قیدی: تم کس کس قبیلے اور کون کون سے گھرانے کو جانتے ہو؟

عباس: تو فلاں قبیلے کے فلاں آدمی کو جانتا ہے؟

قیدی: جب تک آپ مجھے اس آدمی سے اپنی دلچسپی کا سبب نہ بتائیں گے اس وقت تک میں آپ کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتاؤں گا۔

عباس: اس آدمی سے میری دلچسپی کا سبب سنو، میں کسی دور میں میں' گورنر دمشق کا افسر تھا۔ وہاں کے لوگوں نے گورنر کے خلاف بغاوت کر دی۔ معاملے کی سنگینی دیکھ کر گورنر دمشق پنجرے میں لٹک کر قلعے سے اترا اور اپنے ساتھیوں سمیت فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ ان فرار ہونے والوں میں' میں بھی تھا۔ میرے پیچھے لوگوں کا جتھا مسلسل دوڑ رہا تھا۔ البتہ میں انتہائی تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا ان کی دسترس سے نکل کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس دوران میں اس آدمی کے گھر کے سامنے سے گزرا تو اس سے درخواست کی کہ اغثنی اغاثک اللّٰہ۔

اس نے مجھے اپنے محل نما مکان میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ جب میں داخل ہوا تو اس کی بیوی نے مجھے فوراً مقصورہ (میاں بیوی کا خاص حجرہ) میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ اسی دوران مجھے مکان کے گیٹ پر لوگوں کا شور و غل سنائی دیا جو مالک مکان سے کہہ رہے تھے کہ واللہ وہ شخص تیرے گھر میں داخل ہوا ہے۔ اس نے کہا تلاشی لے لو نا۔ چنانچہ لوگ اندر داخل ہو گئے اور انہوں نے مقصورہ کے علاوہ باقی گھر کا کونہ کونہ چھان مارا۔ پھر وہ آپس میں مشورہ کر کے کہنے لگے کہ وہ اس مقصورہ میں ہو گا۔ تو مارے خوف کے میری ٹانگیں کپکپانے اور دل پھڑپھڑانے لگا تو اس کی بیوی نے جو کہ میرے پاس کھڑی تھی' جرأت کی اور انہیں سخت سست کہا۔ جس کی وجہ سے انہیں اندر داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ باہر نکل گئے اور مجھ پر ایسا خوف اور وحشت طاری ہو رہی تھی کہ میری ٹانگیں میرا بوجھ برداشت کرنے سے جواب دے گئیں۔ وہ آدمی باہر دروازے پر کھڑا ہو گیا اور اس کی بیوی مجھے حوصلہ دینے لگی کہ ڈرو نہیں' آرام سے بیٹھ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کے شر سے محفوظ کر لیا ہے۔ اب آپ امن و سکون سے رہیں۔ جس پر میں نے ان کو ڈھیروں دعائیں دیں۔

اس کے بعد وہ اللہ کا بندہ مجھ پر مسلسل لطف و کرم اور محبت و مودت کے یادگار موتی برساتا رہا کہ اس نے میرے اندر بیگانگی کا احساس ختم کر دیا۔ اس نے مجھے اپنے محل میں ایک الگ مکان دے دیا اور مجھے ضروریات زندگی اتنی وافر مقدار میں مہیا

کیں اور صبح و شام میری ایسی خبر گیری کی کہ مجھے تمام دکھ بھول گیا۔ چنانچہ میں نے اس کے ہاں زندگی کے بہترین چار ماہ گزارنے کے بعد اس سے اجازت طلب کی کہ اب فتنہ دب گیا ہے اور شہر پر سکون ہے اور میں اپنے غلاموں کا اتا پتہ کر لوں۔

چنانچہ اس نے واپس آنے کا وعدہ لے کر اجازت دے دی۔ میں شہر گیا اور غلاموں کا پتہ نہ پا کر واپس آ گیا۔ اس دوران میری بے مثال اور انتھک خدمت کرنے کے باوجود اس نے نہ میرا نام پوچھا نہ پتہ نہ عہدہ بلکہ وہ مجھے میری کنیت سے بلاتا تھا۔

ایک روز میں نے اس سے بغداد جانے کی اجازت مانگی تو اس نے بخوشی اجازت دینے سے قبل مجھ سے کہا کہ میں بغداد جانے والے قافلے کا پتہ کر آؤں اور جس روز وہ روانہ ہو اس روز آپ کو الوداع کہوں۔ پھر میں نے اس سے عہد کیا کہ اتنی مدت کے حسن سلوک اور ہمدردی کی بنا پر میں تیرے ساتھ عہد کرتا ہوں کہ میں زندگی بھر آپ کے احسان کو نہ بھولوں گا اور حسب طاقت اس کا بہترین صلہ دوں گا۔

اس کے بعد اللہ کے اس نیک بندے نے اپنے غلام کو سفر کے لیے گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا اور خود سامان سفر تیار کرنے لگ گیا۔ میں نے سمجھا کہ وہ خو کہیں جانے کا پروگرام بنا رہا ہے لیکن سارے دن کی دوڑ دھوپ کے بعد وہ رات کو بمشکل سویا ہو گا اور علی الصبح مجھے خبر دی کہ آج قافلہ بغداد روانہ ہونے والا ہے۔ اٹھو اور تیاری کرو اور میں نہیں چاہتا کہ آپ اکیلے جائیں۔ اس دن نہ تو میرے پاس سواری تھی نہ زاد راہ۔ میں اسی سوچ میں تھا کہ وہ شریف انسان میرے لیے اعلیٰ اور نفیس ملبوسات اور نئے جوتوں کا جوڑا لایا۔ تلوار اور پیٹی لا کر میری کمر سے باندھ دی پھر اعلیٰ نسل کے خچر پر دو بھرے ہوئے بکس رکھے اور اس پر بستر بچھا دیا اور مجھے گھوڑے پر سوار کر کے ایک غلام بھی ساتھ دیا کہ وہ سواری ہانکے گا اور راہ میں خدمت بجا لائے گا۔ پھر وہ اور اس کی بیوی چند فرلانگ مجھے الوداع کہنے کے لیے میرے ساتھ چلے اور مجھ سے خدمت میں کسی بھی قسم کا قصور معاف کرانے لگے۔ سچ پوچھو تو اس وقت میرا دل رونے لگا' آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے ڈبڈباتی آنکھوں سے انہیں

واپس بھیجا اور کئی دنوں کا سفر طے کرنے کے بعد بغداد پہنچا اور امیر المومنین کی خدمت کی بنا پر اس کا پتہ لینے سے قاصر رہا۔ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ شاید میں اس کے احسان کا بدلہ دے سکوں۔

قیدی: اللہ رب العزت نے تجھے اس حسن سلوک کا بدلہ دینے کا سنہری موقعہ عطا کیا ہے۔

عباس: وہ کیسے؟

قیدی: اللہ کے نیک بندے وہ شخص میں ہی تھا اور میرے اس حال نے تجھ پر میری شناخت اوجھل کر دی ہے۔

یہ سن کر عباس کا دل قابو سے باہر ہو گیا اور دیوانہ وار اٹھا اور بیڑیوں سمیت اسے اٹھا کر سینے لگا کر اس کے سر کو بوسے دینے لگا اور پوچھا:

عباس: آپ اس نوبت تک کیسے پہنچے؟

قیدی: دمشق میں تیرے دور جیسا فتنہ برپا ہوا اور اس کا الزام میرے سر دھر دیا گیا اور مجھے گرفتار کر کے اس قدر تشدد کیا گیا کہ مجھے زندگی کی امید نہ رہی۔ پھر مجھے زنجیروں میں جکڑ کر یہاں امیر المومنین کے دربار میں پہنچا دیا گیا اور ان کے ہاں میرا جرم اس قدر بھیانک ہے کہ وہ لامحالہ مجھے قتل کرا دیں گے اور جس حال میں میری گرفتاری عمل میں آئی' اس نے مجھے وصیت کرنے کا بھی وقت نہ دیا۔ میرے پیچھے میرا غلام آیا ہے اور وہ بغداد میں میرے ملنے والوں کے گھر میں موجود ہے تاکہ میرے گھر والوں کو میرا انجام بتا سکے۔ اگر آپ اس احسان کا بدلہ دینا چاہتے ہیں تو اسے بلائیے تاکہ میں موت سے پہلے اسے وصیت کر سکوں۔ اگر آپ نے ایسا کر دیا تو عہد وفا پورا ہو گیا۔

عباس: اللہ خیر کرے گا!

پھر عباس نے راتوں برات لوہار طلب کر کے اس کے ہاتھ پاؤں سے زنجیر' طوق اور بیڑیاں کٹوائیں اور گھر کے حمام میں غسل کرایا اور اسے عمدہ لباس پہنا کر اس کے غلام کو بلوایا۔ جب غلام گھر میں داخل ہوا تو دمشقی آقا اور محسن اپنے غلام کو دیکھ کر

رونے لگا اور وصیت کر دی۔ پھر عباس نے اپنے نائب کو بلا کر ہدیے لانے اور گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا تاکہ اسے انبار تک چھوڑ آئے۔

قیدی: عباس دیکھو امیر المومنین کے ہاں میرا جرم نہایت بھیانک ہے۔ اگر میں فرار ہو بھی گیا تو وہ مجھے اپنے لاؤ لشکر کے ذریعے پکڑ لیں گے اور قتل کرا دیں گے۔

عباس: تم نجات پاؤ اور مجھے اپنے کام کی تدبیر کرنے دو۔

قیدی: واللہ! میں بغداد سے باہر نہیں جاؤں گا اور مسلسل تیری خبر رکھوں گا اور معاملہ کٹھن ہوا تو حاضر ہو جاؤں گا۔

عباس: چلو اگر تمہارا ارادہ یہی ہے تو بغداد کے فلاں محلے میں ٹھہرو۔ اگر میں سلامت رہ گیا تو خبر کر دوں گا ورنہ خود قتل ہو کر آپ کے احسان کا بدلہ چکا سکوں گا۔

پھر عباس نے اپنے متعلق سوچنا شروع کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ موت۔ یقینی ہے کفن تیار کر لیا جائے اور غسل کر کے حنوط لگایا جائے۔ چنانچہ اس نے طلوع فجر سے پہلے غسل کیا اور حنوط لگا کر کفن تیار کر لیا۔ نماز فجر سے فارغ ہوتے ہی امیر المومنین کا حکم آیا کہ آدمی کو لے کر ایوان شاہی میں پہنچو۔ جب عباس وہاں پہنچا تو امیر المومنین نے پوچھا: "عباس! مجرم کہاں ہے؟" (عباس کی خاموشی پر)

امیر المومنین: افسوس تجھ پر' اگر تو نے کہا کہ وہ فرار ہو گیا ہے تو تیرا سر قلم کرا دوں گا۔

عباس: نہیں امیر المومنین وہ فرار ہرگز نہیں ہوا بلکہ آپ تھوڑی دیر کے لیے میرا اور اس کا قصہ سن لیجئے اور پھر جو جی میں آئے کر گزریئے۔

اس کے بعد انسپکٹر جنرل عباس نے اپنی اور اس کی مکمل روداد سنائی اور عرض کیا اگر آپ مجھ سے درگزر فرمائیں تو میں نے اس محسن سے حق وفا ادا کر دیا۔ اگر آپ مجھے اس پاداش میں قتل کرنا چاہتے ہیں تو میں غسل کر کے حنوط استعمال کر چکا اور میرا کفن میری بغل میں ہے۔

مامون: اللہ تجھے تیرے احسان کی جزا نہ دے' تیرا احسان بھلا کب اس کے درجے کو پا

سکتا ہے کیونکہ تو نے پہچاننے کے بعد احسان کیا اور اس نے بغیر جانے پہچانے۔ مجھے پہلے کیوں نہ بتایا کہ تیری طرف سے میں خود اس کے احسان کا بدلہ دیتا۔

عباس: امیر المومنین وہ ابھی دارالحکومت بغداد میں موجود ہے تاکہ میرے معاملے کی خبر رکھے۔ اگر مجھے جان کا خطرہ درپیش ہو تو وہ میری جگہ پیش ہو کر اپنی گردن کٹوا دے۔

مامون: یہ اس کا تجھ پر دوسرا احسان ہے جو پہلے سے بھی بڑا ہے۔ جا اور اسے میرے پاس لا تاکہ تیرے اوپر ہونے والے احسان کا صلہ میں خود ادا کروں۔

چنانچہ عباس اس کے پاس گیا اور خوشخبری سنائی کہ آپ کا خوف دور ہونا چاہیئے کہ امیر المومنین نے یوں کہہ کر آپ کو طلب کیا ہے۔ اس نے کہا الحمدللہ شکر ہے اس ذات کا جس کے سوا تنگیوں اور مشکلات کو کوئی دور نہیں کر سکتا' وہی حمد کے لائق ہے۔ پھر وہ سوار ہو کر امیر المومنین کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے اپنے قریب بٹھا کر گفتگو کی اور اس کے ساتھ مل کر کھانا کھایا۔ پھر اسے دمشق کی گورنری پر متعین کرنا چاہا جسے اس نے شکریے کے ساتھ نامنظور کیا پھر اس کو خلعت فاخرہ دے کر الوداع کیا اور دمشق کے گورنر کو اس سے حسن سلوک کا حکم دیا۔[1]

---

[1] دلچسپ تاریخی کہانیاں مرتبہ ابو مسعود عبدالجبار سلفی۔

موسیقی چھوڑنے والے ایک انگریز کا ایمان افروز واقعہ

کافر حکومتیں عموماً بدقسمتی و حرمان نصیبی کی زندگی گزار رہی ہیں۔ خواہ ان کا تعلق یورپ سے ہو' مغرب سے یا مشرق سے ہو' یہ کوئی مفروضہ نہیں۔ واللہ! حقیقت ہے۔ کیونکہ اعضاء کا بادشاہ دل ہے۔ سعادت و نعمت اور عذاب و کلفت کی قیادت اس دل کے ہاتھ میں ہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کبھی بھی ان کی ظاہری عیش پسندی سے دھوکہ میں نہ پھنس جانا۔ ان کے جسم جنت میں ہیں اور ان کے دل دوزخ میں جل رہے ہیں۔ ہمیشہ کافر انسان تنگی اور پراگندگی کی زندگی گزارتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴾ (طٰہٰ : ۲۰/۱۲۴)

"جو شخص میرے ذکر سے اعراض کرے گا بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے۔"

اے اللہ کے بندے! تجھے علم ہے ضنک (گزران کی تنگی) سے کیا مراد ہے؟ یہ اندرونی روگ ہے' یہ حسرت ہے۔ دل کی تنگی ہے۔ اور آخرکار خودکشی ہے۔

یہ اسکنڈنیویہ حکومت ہے۔ اس نے جب دیکھا کہ خودکشیوں کی کثرت ہو گئی ہے یہ حکومت اعلان کرتی ہے کہ ہم ان کے لیے "خودکشی خانے" تیار کر دیتے ہیں جہاں یہ جا کر خودکشی کر لیا کریں۔ تاکہ ہم ان کے خون سے بیماروں مصیبت زدگان کے لیے فائدہ اٹھا سکیں۔ اے میرے پیارے مسلمان بھائی! ذرا توجہ فرما! میں تجھے ایک ایسے نوجوان کا واقعہ سناتا ہوں جس نے دنیا کی دلربائی' غوغا آرائی اور انگیخت نمائی سے منہ موڑ کر دلی لو اللہ تعالیٰ سے لگا لی ہے' جس سے اسے انشراح صدر اور

کشادگیٔ دل میسر آیا ہے۔

لیجئے مسلمان! اس آدمی کا واقعہ سنئے جس نے گانا اور اس کے لوازمات یعنی شراب نوشی' اور بے حیائیوں اور گناہوں کا ارتکاب' اور ڈسکو رقص' اور موسیقی کے تمام قسم کے آلات سے توبہ کر لی' تو اسی انسان کے دل میں ایمان جاگزیں ہو جاتا ہے۔ جس سے اسے خوشگوار طمانیت حاصل ہوتی ہے اور وہ راحت اور سکون محسوس کرتا ہے۔ اس میں اسے رفعت و عزت ملتی ہے۔ اسی میں وہ خیر و فلاح اور صلاح پاتا ہے۔ یہ برطانیہ کے ایک گلوکار کا واقعہ ہے۔ جس کی شہرت دنیا کے گوشے گوشے میں گونج بپا کیئے ہوئے تھی۔ (کیٹ اسٹیونز) اس کا نام تھا۔ جس کا بعد والا نام یوسف اسلام ہے۔ وہ خود بیان کرتا ہے۔ کوئی جب اپنی آپ بیتی خود اپنی سچائی کی زبان سے بیان کرے تو اس کے جمال کے کیا کہنے! جو وہ بیان کرتا ہے۔ ہیں تو چند اوراق مگر نہایت بلیغ انداز تعبیر ہے اور اس میں بے پناہ تاثیر ہے۔ وہ کہتا ہے: میں مغربی دنیا کے قلب لندن میں پیدا ہوا' جس زمانہ میں میری ولادت ہوئی ٹیلی ویژن اور فضاء میں جستجو پیدا کرنے کا زمانہ تھا۔ جس دور میں میں اس جہانِ آب و گل میں وارد ہوا اس وقت برطانیہ کے معروف ثقافتی شہر میں ٹیکنالوجی عروج کی آخری بلندیوں کو چھو رہی تھی۔

میں اس معاشرہ میں پروان چڑھا تھا اور کیتھولک مدرسہ میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں سے مجھے مسیحی عقیدہ و حیات کی تعلیم ملی' اور مجھے اللہ تعالیٰ' مسیح علیہ السلام' تقدیر بری اور اچھی کے بارے میں چند ضروری فرائض کی پہچان ہوئی۔

انہوں نے میرے سامنے اللہ تعالیٰ کے متعلق زیادہ بیان کیا اور مسیح علیہ السلام کے متعلق بھی تھوڑا سا بتایا اور روح القدس کے متعلق تو بہت ہی تھوڑا بتایا۔ میرے ارد گرد مادی دنیا نے میڈیا کے تمام اسباب نصیب کر رکھے تھے۔ اور ہمیں یہی سکھایا جاتا تھا کہ مالداری ہی حقیقی دولت ہے' فقیری تو حقیقت میں ناکارہ پن ہے اور امریکہ کا باسی حقیقت میں وہی ہے جو معاشرے میں مثالی طور پر مالدار اور دولت مند ہو۔ اور

تیسری دنیا (یعنی عالم اسلام) مثالی فقیر' بھوکی' جہالت زدہ اور بے کار ہے۔ ان حالات میں اس کے بغیر چارہ نہ تھا کہ میں مالداری کا راستہ اختیار کرتا اور اسی شاہراہ پہ گامزن ہوتا' تاکہ میں سعادت بھری کامیاب زندگی گزار سکوں' اور میں پر نعمت زندگی میں کامیاب ہو سکوں۔ فلسفۂ حیات نے میرے سامنے یہ خدوخال واضح کر دیئے کہ اس دنیا کے ساتھ دین کا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں اور میں بھی اسی فلسفہ کے نہج کو اختیار کر چکا تھا۔ تاکہ میں خود کو سعادت مند (کامیاب) بنا سکوں۔ میں نے ابتدائی طور پر اپنی خود ساختہ کامرانی کے وسائل پر غور کرنا شروع کیا' اس کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ ستار (موسیقی کا آلہ) خریدوں اور گانے تالیف کروں اور انہیں دھن میں گا کر لوگوں کے ہاں لے جاؤں۔ لہٰذا میں نے یہی کیا۔ اس کا نام (کیٹ اسٹیونز) رکھا۔ میری عمر کے جب اٹھارہ سال بیت گئے تو اس معمولی وقفہ کے دوران میری آٹھ کیسٹیں گانوں کی تیار ہو چکی تھیں۔ جب کیٹ اسٹیونز نے رنگ مطرب کی اس دنیا کو اچانک خیرباد کہہ کر اسلام قبول کرنے کا فیصلہ کیا تو اس کے نغمات پر مشتمل لانگ پلے ریکارڈز کی فروخت مجموعی طور پر ڈیڑھ کروڑ تک جا پہنچی تھی۔ اب یہ حال ہو چکا تھا کہ میرے سامنے بہت زیادہ مال کی پیشکشیں ہونے لگیں اور میں نے بہت زیادہ مال و دولت جمع کر لیا۔ یہاں تک کہ میں چوٹی کے مالداروں میں شمار ہونے لگا۔ مگر میری نظر نیچے ہی تھی کیونکہ جو چوٹی سر کرتا ہے وہ گر بھی جاتا ہے۔ اس خوف سے میں اپنے سے نیچے ہی دیکھتا تھا۔

اب مجھے دل کی بیتابی لاحق ہو گئی۔ (میں روحانی سکون کی تلاش میں) شراب نوشی کرنے لگا یہاں تک کہ میں روزانہ ایک بوتل شراب نوش جان کر جاتا' تاکہ میں قوت حاصل کر سکوں۔ اور گا سکوں میں نے یہی سمجھ رکھا تھا کہ میرے اردگرد تمام لوگوں نے نقاب اوڑھ رکھے ہیں اور کوئی بھی اپنے چہرے سے نقاب الٹنے والا نہیں۔ یعنی حقیقت کے رخ زیب کا نقاب الٹنے والا کوئی نہیں۔ ظاہر ہے جب حقیقت واضح نہ ہو تو پھر نفاق کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ اسی کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ اور یہی

گزران ہوتی ہے۔ مجھے یہ شعور تھا کہ یہ نفاق ہے' گمراہی ہے مجھے اپنی اس زندگی سے نفرت ہونے لگی۔ میں لوگوں سے تنہا رہنے لگا۔ حتیٰ کہ میں بیمار ہو گیا۔ سل کی بیماری کی وجہ سے میں ہسپتال میں منتقل ہو گیا۔ ہسپتال میں ہنگامہء دنیا سے معمولی وقفہ جو مجھے میسر آیا وہ میرے لیے باعث خیر ثابت ہوا۔ کیونکہ اس نے مجھے غور و فکر کی جانب متوجہ کیا۔

اللہ تعالیٰ پر میرا ایمان تو تھا ہی' لیکن کنیسہ (گرجا گھر) نے مجھے معبود سے نا آشنا ہی رکھا تھا' جو گرجا گھر والے مجھے معبود بتاتے تھے میں اس معبود کی حقیقت تک رسائی حاصل کرنے سے قاصر تھا۔ یہ ایک پوشیدہ سوچ تھی۔ میں نے نئی زندگی کی راہوں پہ سوچنا شروع کیا۔ میرے پاس عقائد کے متعلقہ کتابیں تھیں۔ میں اسلام کی حقیقت کو تلاش کرنے کی فکر میں تھا' میرا شعور گردش کرتا تھا کہ میں کسی ایک سمت کی غایت متعین کر لوں' لیکن مجھے اس بحر مواج میں حقیقت کا کنارہ نہیں مل رہا تھا۔ نہ ہی ان الفاظ کا مفہوم مل رہا تھا۔ اور نہ ہی میں اس بات پر قناعت کر رہا تھا کہ میں خالی ذہن بیٹھ جاؤں۔ میں اس سعادت کی جستجو میں غلطاں و پیچاں تھا جو میں نے مالداری میں نہ پائی تھی' اور نہ شہرت کی بلندیاں مجھے دے سکی تھیں اور نہ ہی کنیسہ (گرجا گھر) مہیا کر سکا۔

میں نے پھر چینی فلسفہ (بودیہ) کے در پہ دستک دی' اسے پڑھا اور خیال پیدا ہوا کہ جو کل پیش آنے والے واقعات ہیں ہمیں پہلے ہی ان سے خبردار ہونا چاہیئے۔ تاکہ ہم کل آمدہ بد انجامیوں سے محفوظ رہ سکیں۔ سب سے بڑی یہی سعادت ہے۔ اس طرح میں قدری (تقدیر کا منکر) بن گیا' اور میرا علم نجوم پہ یقین ہونے لگا اور طلوع ہونے والے ستاروں سے غیب کا دعویٰ کرنے لگا۔

پھر میں اشتراکی نظام کی جانب متوجہ ہوا۔ یہ خیال تھا کہ بہتر یہی ہے کہ ہم اس دنیا کی دولت تمام لوگوں پر تقسیم کریں گے۔ لیکن میں نے سمجھا کہ یہ اشتراکیت فطرت سے ٹکراتی ہے۔ عدل و انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ محنت کا فائدہ دوسرے

شخص کی جیب میں نہیں جانا چاہیئے۔ اس کشمکش اور فکر و حیرت کے سلسلہ کو ختم کرنے کے لیے میں نے سکون آور دواؤں کا استعمال شروع کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ یہاں کوئی عقیدہ و نظریہ میرے ذہن میں اٹھنے والے سوالات کے جوابات نہیں دے سکتا۔ اور نہ ہی جس حقیقت کی جستجو میں میں سرگرداں ہوں اس کی وضاحت کر سکتا ہے۔ آخر کار میں مایوس ہو کر اپنے پہلے نظریات و مفہومات پر ہی باقی رہا' کیونکہ اس وقت اسلام کے متعلق مجھے بالکل معلومات نہ تھیں۔ جو کچھ میں نے کنیسہ (گرجا) سے سیکھا تھا بہر صورت ان کے متعلق مجھے یقین تھا کہ یہ نظریات فضول ہیں لیکن گرجا دوسرے نظریات کی بہ نسبت قدرے بہتر ہے۔ اس لیے میں دوبارہ وہیں لوٹ گیا۔ میں دوبارہ نئے انداز پر موسیقی کی تالیف پر کاربند ہو گیا اور تصور کر لیا کہ یہی میرا دین ہے اور اس کے علاوہ میرا کوئی دین نہیں۔ اور اس دین میں اخلاص کے ساتھ کام کرنے کی مکمل کوشش کی۔ میں نے یہاں تک اخلاص کا اظہار کیا کہ موسیقی تالیف و ترتیب کرنے میں نہایت ہی عمدگی کا مظاہرہ کیا۔ چرچ کی ان تعلیمات پر چلنے لگا جو مغربی فکر نے چرچ سے حاصل کی تھیں کہ جب انسان کسی فن میں کامل ہو جاتا ہے' یا عملی پختگی اس میں پیدا ہو جاتی ہے یا اپنے کام سے مخلص ہو اور اس سے محبت کرے تو اس کا معبود یہی ہے۔

۱۹۷۵ء میں ایک واقعہ رونما ہوا جو ایک کرامت سے کم نہ تھا۔ وہ یہ تھا کہ میرا بڑا بھائی ہدیہ کے طور پر میرے پاس ایک قرآن پاک کا نسخہ لے کر آیا۔ یہ قرآنی نسخہ میں نے اس وقت بھی اپنے پاس رکھا جب میں نے بیت المقدس کی زیارت کے لیے فلسطین کا سفر کیا تھا' اس مبارک سفر میں' میں نے اس کتاب کے مطالعہ کا اہتمام کیا جو میرے بھائی نے مجھے تحفۃً دی تھی۔ اس سے پہلے نہ تو میں اس کے اندر کیا ہے اور یہ کیا بیان کرتا ہے؟ اس بارے میں میں کچھ نہ جانتا تھا۔ پھر زیارت بیت المقدس کے بعد میں نے قرآنِ پاک کے ترجمہ کی جستجو کی۔ پہلی بات جس کے بارے میں میں سوچ بچار کر رہا تھا وہ تھی کہ اسلام کیا ہے؟ یورپ کی نظر میں اسلام ایک پیچیدہ عنصر

(مذہب) ہے۔ مسلمان خواہ ترکی ہوں یا عربی ہوں سب پردیسی اور اجنبی ہیں۔ اور میرے والدین اصل میں یونانی تھے۔ تقریباً ہر یونانی' ترکی مسلمان کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ظاہر ہے اب ضروری تھا کہ میں موروثی طور پر اس قرآن سے نفرت رکھتا تھا کہ جس کے ماننے والے ترکی تھے لیکن پھر بھی میں نے یہی مناسب خیال کیا کہ اس سے آگاہی حاصل کروں اور اس کا ترجمہ پڑھوں' اس کے اندراجات سے آگاہ ہونے میں تو کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے۔

پہلے ہی مرحلے میں جو میں نے سمجھا وہ یہ ہے کہ قرآن پاک کا آغاز ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ سے ہوتا ہے' اس میں غیراللہ کا نام تک نہیں۔ اور ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ کی عبارت میرے دل میں گھر کر گئی' پھر فاتحۃ الکتاب میں سلسلہ جاری رہا...... ﴿ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنِ ﴾ کہ تمام تعریفات جہانوں کے خالق اور رب کے لیے ہیں۔ اس وقت میری سوچ معبود کے بارے میں کمزور تھی۔ کیونکہ کلیسا والوں نے مجھ سے کہہ رکھا تھا کہ "اللہ واحد ہے لیکن تین اجزاء میں تقسیم ہوتا ہے۔" مجھے کچھ معلوم نہ تھا اور یہ کہتے تھے کہ ہمارا معبود وہ نہیں جو یہودیوں کا ہے۔

اس کے برعکس قرآن کریم نے اس واحد رب کی عبادت سے آغاز کیا ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس میں خالق کی وحدانیت محکم ہوئی ہے کہ اس کا کوئی شریک نہیں جو اس کی قوت کو تقسیم کرے۔ میرے لیے یہ بھی ایک نیا مفہوم تھا۔ میں قرآن پاک کے ساتھ تعارف سے پہلے ہی یہ سمجھ چکا تھا' کہ ملاء مت (موافقت) اور قوتیں معجزات پیدا کرنے پہ قادر ہیں۔ لیکن جو مفہوم اسلام سے حاصل کیا اس میں تھا کہ اللہ تعالیٰ تنہا ہی ہر چیز پہ قادر ہے۔

یہ عقیدۂ توحید کے ساتھ ہی آخرت کے دن پر ایمان کا عقیدہ ملا ہوا تھا' کہ حیات اخروی ہمیشہ رہنے والی ہے۔ انسان ایک گوشت کا ڈھیر ہی نہیں کہ ایک دن بس یہ ریت کے ذروں کی مانند بکھر جائے گا۔ اور خاک میں بدل جائے گا۔ جیسا کہ علمائے حیات کا نظریہ ہے۔ بلکہ ہم جو اس زندگانی میں کرتے ہیں آخرت کی زندگی میں اس

کے مطابق ہی ہمارے حالات کی حد بندی ہو گی۔ قرآن پاک ہی وہ مقدس کتاب ہے جس نے مجھے اسلام کی طرف دعوت دی' میں نے اس کی دعوت قبول کر لیا۔ لیکن وہ کلیسا جس نے مجھے تفکرات میں توڑ ڈالا تھا اور میرے لیے تھکاوٹ اور تباہی کھینچ لایا تھا کیونکہ یہ میرے نفس اور روح سے اٹھنے والے سوالات کے جوابات دینے سے بے بس ہو گیا تھا۔ لہٰذا اس کلیسا نے مجھے اس قرآن پاک تک رسائی حاصل کروائی۔

میں نے قرآن پاک میں بہت سارے عجائبات ملاحظہ کئے ہیں جس کی وجہ سے یہ دوسری ہر کتاب سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اس میں بناوٹی وضع قطع نہیں جو دوسری دینی کتابوں میں وافر مقدار میں پائی جاتی ہے۔ قرآن کریم کے ٹائٹل (سرورق) پر کسی مؤلف و مصنف کا نام نہیں۔ اس سے میں نے یقین کر لیا کہ یہ وہی مفہوم ہے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی اپنے اس نبی مرسل ﷺ پر نازل کیا ہے۔ اس قرآن پاک اور انجیل کے درمیان جو فرق ہے وہ بھی واضح ہو گیا کیونکہ انجیل میں مختلف مؤلفوں کے تحریر کردہ متعدد قصے ہیں۔ جبکہ قرآن پاک اس سے مبرا ہے۔

میں نے مکمل کوشش کی تھی کہ قرآن کریم کی غلطیاں تلاش کروں۔ لیکن میں ایک بھی غلطی نہ پا سکا۔ سارے کا سارا قرآن' خالص وحدانیت کی فکر میں مرتب ہے۔ میں نے آغاز کیا تھا تاکہ میں اسلام کی پہچان کروں۔

قرآن پاک ایک پیغام ہی نہیں بلکہ اس میں بہت سے انبیائے کرام کے اسمائے گرامی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شرف و کرامت سے نوازا ہے۔ ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کی' یہ ایک منطقی مفہوم ہے۔ اگر آپ ایک نبی کے ساتھ ایمان لائیں دوسرے پر ایمان نہ لائیں تو اس طرح آپ نے رسالت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ اس وقت سے ہی میں سمجھ گیا کہ مخلوق کے آغاز سے لے کر رسالت کا تسلسل کس طرح قائم رہا ہے اور لوگ جب سے انسانی تاریخ کا آغاز ہوا ہے اس وقت سے ہی دو صفوں میں بٹ گئے ہیں۔ ایک مؤمن دوسرا کافر۔

قرآن پاک نے میرے تمام سوالات کے شافی جواب دیئے۔ اس سے ہی میں نے

سعادت کا مفہوم سمجھا اور حقیقی سعادت (کامیابی) سے آگاہی حاصل کی۔ تمام قرآن کریم کو پڑھنے کے بعد اس پر تقریباً ایک سال کا دورانیہ ہوا تھا' میں نے اس کے افکار میں مطابقت و مناسبت پیدا کرنی شروع کی' مجھے ایسا معلوم ہوا اس دنیا میں میں ہی اکیلا مسلمان ہوں۔ پھر میں نے مزید غور کیا کہ میں حقیقی مسلمان کس طرح بن سکتا ہوں۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۷۷ء کو میں لندن کی مسجد میں گیا اور میں نے اپنے اسلام لانے کا عام اعلان کر دیا' میں پکار اٹھا:

اَشْهَدُ اَنْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

جب میں نے یہ اعلان عام کیا تو اس وقت مجھے یقین ہوا وہ اسلام جسے میں نے اپنے گلے لگایا ہے یہ ایک بہت بھاری پیغام ہے' یہ کوئی آسان کام نہیں جو کلمہ شہادت زبانی پکارنے سے پورا ہو جائے۔ آج گویا میں نے نیا جنم لیا تھا اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ میں اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ کہاں تک چل سکتا ہوں۔ میں اس سے پہلے کبھی کسی مسلمان کے سامنے نہ آیا تھا اگر کسی مسلمان سے میرا سامنا ہو جاتا اور وہ مجھے اسلام کی دعوت دیتا تو میں اس کی دعوت کو ٹھکرا دیتا کیونکہ مسلمانوں کے حالات بہت ہی عیب ناک ہو چکے ہیں۔ اور کچھ اس وجہ سے بھی کہ مغربی میڈیا نے مسلمانوں کا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔ بلکہ اسلامی میڈیا بھی زیادہ تر اسلامی حقائق کو مسخ کر کے پیش کر رہا ہے۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ دشمنان اسلام کی بہتان طرازیوں کی تائید کرتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دشمنانِ اسلام اپنے علاقوں کی اصلاح سے بے بس ہو چکے ہیں جن کو اخلاقیات کی اجتماعی بیماریوں نے تباہ کر دیا ہے۔ میں اسلام کی جانب اس کے بہترین سر چشمہ کی بدولت متوجہ ہوا ہوں' یعنی قرآن کریم۔ پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ شروع کیا۔ آپ کا طریقہ سلیقہ اور سنت کیسے تھے' کس طرح آپ نے اسلام کی تعلیم دی' میں نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور سنت مطہرہ سے اپنے لیے بہت سامان حاصل کیا۔ میں نے موسیقی کا دل سے خیال ہی نکال دیا ہے۔ میں نے اپنے مسلمان بھائیوں سے کہا: ''کیا میں موسیقی جاری رکھ سکتا ہوں؟''

انہوں نے مجھے نصیحت کی کہ "اب چھوڑ دو یہ ذکر الٰہی سے مشغول (بے پرواہ) کر دیتی ہے اور یہ ایک بہت ہی خطرناک چیز ہے۔"

میں نے دیکھا ہے کہ نوجوان اپنے گھر والوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور گانوں اور موسیقی کی فضا میں زندگی گزارتے ہیں' جبکہ اسلام اسے ناپسند کرتا ہے کیونکہ اسلام انسانوں کے کردار کی تعمیر کرتا ہے .... تو میں نے وہ موسیقی چھوڑ دی جس کی خاطر لوگ گھر بار چھوڑ دیتے ہیں۔

قارئین ....! یہ برطانیہ کے ایک مشہور و معروف گلوکار کا واقعہ ہے۔ جو پہلے کیٹ اسٹیونز تھا۔ اسلامی نام یوسف اسلام ہے جس نے شہرت' اور لاکھوں روپے چھوڑ کر دولت دین حاصل کی۔ وجہ یہ ہے کہ اس نے وہ گوہر مقصود پا لیا تھا جس کی وہ بڑی دیر سے جستجو کر رہا تھا' وہ تھا حق و ہدایت جو کہ دنیا اور آخرت میں ابدی سعادت کا سبب بن گیا۔ اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے اسے دولت ایمان سے مالا مال کر دیا۔ دنیا کی کوئی چیز اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ ہاں اللہ کی قسم! ہاں۔ بغیر ایمان کے زندگی دوزخ ہے جس میں رہنے کی کسی کو طاقت نہیں۔ نیز اس کے عوض اللہ تعالیٰ خود اس سے محبت کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں' تقویٰ والوں' اور احسان کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اس کے عوض زمین و آسمان اس کی محبت میں جھوم جاتے ہیں' اور دنیا کے شرق و غرب میں ایمانداروں کے درمیان اس کا ذکر جمیل دھوم مچا رہا ہے۔

جب کیٹ اسٹیونز نے اسلام قبول کیا تو وہی یورپی دنیا جو اس کی مداح اور دیوانی تھی' اس کی دشمن ہو گئی اور اس کے خلاف زہر اگلنے لگی' اس کی عزت کی بجائے تحقیر کرنے لگی لیکن چونکہ اس نے صرف اللہ کے لیے اسلام قبول کیا تھا اللہ تعالیٰ نے قدردانی کی اور اس کی کھوئی ہوئی جھوٹی عزت و وقار کی جگہ حقیقی عزت' ناموری' نیک نامی اور شہرت عطا کر دی اور پورا عالم اسلام اس سے محبت کرنے لگا۔ وہ مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بن گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دسمبر ۱۹۷۹ء کو فوزیہ بنت مبارک علی

نامی مسلم خاتون بیوی کی شکل میں عطا کر دی اور پھر مزید رحمت کرتے ہوئے پانچ بچے بھی عطا کر دیئے جن کے نام محمد' حسنہ' عاصمہ' میمنہ' اور امینہ ہیں۔ اسی طرح اللہ کریم نے ان کو برطانیہ میں اسلامک اکیڈمی کیمبرج' مدینہ ہاؤس اور اسلامیہ سکول ٹرسٹ کے ٹرسٹی بھی بنا دیا۔ اس کے علاوہ اسلامیہ پرائمری سکول اور مسلم ایڈ کے بورڈ آف گورنرز کا چیئرمین بنا دیا اور اسی طرح اسلامک ایسوسی ایشن آف نارتھ لندن کا صدر بنا دیا۔ اس کے علاوہ تین کمپنیوں کا ڈائریکٹر بنا دیا جن کے نام (۱) سلامہ لمیٹڈ (۲) القمیص لمیٹڈ (۳) باشتیون لمیٹڈ ہیں۔ اس کے علاوہ لندن اور اس کے گرد و نواح کے مضافات کے مسلم اسکولوں کا نظم و نسق بھی ان کی نگرانی میں دے دیا۔ مختصراً یہ وہ انعامات ہیں جو کفر کی دنیا چھوڑنے کے صلہ میں اس سے بہتر کی صورت میں اللہ کریم نے ان کو عطاء کیے۔

ہماری پہلی ترجیح تقویٰ ہونا چاہیئے

مشہور مبلغ اسلام نو مسلم یوسف اسلام کا فاران کلب کراچی میں خطاب

مجھے یہاں خطاب کے لیے جو موضوع دیا گیا ہے وہ ہے "اسلام کا مستقبل" ہم اس موضوع پر قرآن اور پیغمبر اسلامؐ کے حوالے کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ایک اہم بات جو ہم رسول اللہؐ کی حیاتِ طیبہ کی مثالوں میں سے پاتے ہیں' وہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ آپؐ سے اکثر اس موضوع کے بارے میں دریافت فرماتے تھے اور اس کے جواب میں آپؐ نے جو فرمایا وہ ایک حدیث کے مطابق یہ تھا کہ میری آمد اور قیامت کی گھڑی کے درمیان اتنا فاصلہ ہے' جتنا کہ انگشت شہادت اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان۔ لہٰذا ہم جب مستقبل کی طرف دیکھنا چاہیں تو ہماری سوچ بھی وہی ہونی چاہیئے اور اس دوران ہمیں قیامت کے خوف اور مستقبل کی امید دونوں کا یکساں احساس ہونا چاہیئے۔ (اس دوران انہوں نے قرآنی آیات کی تلاوت اور ان کے ترجمے کے ذریعے متعدد اہم نکات بیان کیے۔ جن میں تقویٰ اور خوفِ الٰہی کو سب سے زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ انہوں نے کہا: آج ہمارے درمیان خلافت' مرکزی حکومت اور امت واحدہ کا تصور ناپید ہو چکا ہے جس کی بنا پر ہم مختلف مسائل اور انتشار کا شکار ہو چکے ہیں۔ آج ہمارا کوئی مرکزی خلیفہ نہیں' کوئی مرکزی ریاست نہیں اور کوئی مرکزی قومیت نہیں' ایسی صورت میں اسلام کا مستقبل کیا ہو گا؟ اور ہمارا انجام کیا ہو گا؟ ہمیں اس صورتحال کا احساس ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم اپنی حدود سے تجاوز نہ کریں' اسلام کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں اور ایک دوسرے کو قتل نہ کریں' لیکن آج ہم مسلم دنیا میں جو کچھ دیکھتے ہیں' اس کے مطابق' یہ دونوں حقائق بالکل عیاں ہیں۔ مسلمان اسلام سے خارج ہو کر دوسرے نظاموں میں داخل ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے کو قتل بھی کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود بھی جب ہم اسلام کے مستقبل کی بات کرتے ہیں تو پھر وہ یہ ہو گا کہ احادیث کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے بعد دجال کے قتل پر ان کا مشن مکمل ہو گا۔ یہ ہمیں پہلے سے بتا دیا گیا ہے۔ اس کے بعد امن قائم ہو گا جو چالیس برس تک رہے گا اور تمام دنیا کے لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ ہمیں جس بات پر سب سے زیادہ توجہ دینی چاہیئے وہ یہ ہے کہ ہم کس طرح قرآن کی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھیں اور اسلام کے پیغام پر عمل پیرا ہوں جو تمام زمانوں اور تمام مقامات کے لیے یکساں طور پر قابل عمل ہے۔ اسی طرح سے ہم اپنے آپ کو ہر دور میں محفوظ رکھ سکتے ہیں۔ ہماری سب سے پہلی توجہ تقویٰ ہونی چاہیئے۔ ہمیں اسلام پر مکمل طور پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مستقبل کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینی چاہیئے۔ اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ محض عقل اور سمجھ ہمارے مستقبل کے لیے کافی ہے اور جدید ٹیکنالوجی اور جدید علوم کے حصول اور مادی قوت پر عبور حاصل کر کے ہم مستقبل پر فتح پالیں گے تو ہم سخت غلطی پر ہیں۔ ہمیں اپنے مستقبل کی اصلاح کا آغاز' اپنے تعلیمی نظام کی اصلاح سے کرنا چاہیئے۔ جس کا آغاز ماں کی گود سے ہوتا ہے۔

ہمیں معلوم ہونا چاہیئے کہ مغربی دنیا نے تمام اچھی باتیں اسلام سے مستعار لی ہیں۔ مثلاً انسانی حقوق کا تصور' بین الاقوامی قوانین اور کائناتی قدریں وغیرہ۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اقوام متحدہ جیسے ادارے کا منشور خود اسلامی تعلیمات پر قائم ہے اور کچھ بعید نہیں کہ کل مغرب پر یہ انکشاف بھی ہو جائے کہ "سود" اچھی چیز نہیں ہے اور اس نے انہیں معاشی طور پر تباہ کیا ہے۔ (ہفت روزہ تکبیر ۱۶ جنوری ۱۹۹۲ء)

اداکاری چھوڑنے کا عہد کیا تو

اللہ نے خطرناک مرض سے نجات دے دی

مصر کی مشہور و معروف اداکارہ جو مصر کی فلمی صنعت پر چھا چکی تھی اچانک جب وہ ایک موذی اور خطرناک بیماری کا شکار ہوئی تو اس موقع پر اس نے اللہ کریم سے رابطہ کیا اور وعدہ کیا کہ وہ اب اس گناہ بھری زندگی کو چھوڑ کر شرعی پردہ کر لے گی اور نیکیوں بھری زندگی گزارے گی۔ اللہ کریم نے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا اس بندی کو اس جان لیوا بیماری سے نجات دے دی۔

"میں سوچتی ہوں کہ میں اپنے رب اور دین کے حق میں بڑی نافرمانی کی مرتکب ہوئی ہوں۔ اس بنیاد پر میں آرزو کرتی ہوں کہ اللہ مجھے بخش دے اور مجھ سے درگزر فرمائے۔"

یہ وہ باتیں ہیں جو سابقہ اداکارہ ہالہ فواد نے اپنی توبہ' فن سے علیحدگی اور حجاب اوڑھ لینے کے بعد کہیں۔ جب اس نے اعلان کر دیا کہ وہ فلمی دنیا کو چھوڑ کر اپنے خاوند' بچوں اور گھر کے لیے فارغ رہا کرے گی۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں:

میرے بچپن سے ہی میرے اندر ایک قوی شعور مجھے دین کی تعلیمات' قیمتی اور قابل تعریف اسلامی اخلاق و کردار کو اپنانے پر ابھارتا تھا' خصوصاً جب میں پرائمری میں تھی۔

میں روشنیوں کی دنیا کو اور ایکٹنگ کے پروگرامز میں لوگوں کے سامنے آنا پسند نہ کرتی تھی۔ میری سب سے بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ میں سارا دن اپنے گھر کے اندر ہی رہتی تھی۔ لیکن برائی پر ابھارنے والا نفس امارہ' دوسروں کی دیکھا دیکھی اور اس

طرح کی شیطانی کارروائیاں میرے اس راہ کو اپنانے کے پیچھے پڑی تھیں۔ [1]

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مجھے ایک ایسی مصیبت میں ڈالنے کا ارادہ کیا جس نے مجھے اپنی فطرت کی طرف لوٹا دیا۔ اسی کے دوران میرے لیے گمراہی سے ہدایت واضح ہو گئی۔ جس لمحے میں موت سے بقدر دو کمان یا اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئی تھی۔ یہ آخری بچے کی ولادت کے دوران کی بات ہے۔ جب بعض گیسوں نے رحم کا منہ بند کر دیا تھا۔ بچے کی ولادت سے پہلے ڈاکٹرز مجھے تین دن تک مصنوعی سانس دیتے رہے۔ اتنی تیزی سے میرا خون بہتا رہا کہ میری زندگی کے لیے اس نے بڑے خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ میرا بڑا آپریشن کر دیا گیا۔ آپریشن کے بعد مجھے دردیں اٹھنے لگیں۔ ساتویں دن جو کہ طے تھا اس دن میں نے ہسپتال چھوڑنا تھا' مجھے اپنی دائیں ٹانگ میں اچانک شدید درد اٹھی' ایک موٹی سوجن
پیدا ہو گئی۔ اس کا رنگ بھی بدل گیا ڈاکٹروں نے مجھے کہہ دیا کہ مجھے ''خون بستہ'' کی بیماری لگ گئی ہے۔

میں انہی حالات میں تھی۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا اندر کا شعور مجھ سے کہہ رہا ہے: اللہ ہرگز تجھ سے راضی نہ ہو گا اور تجھ کو شفاء نہ دے گا جب تک تو اداکاری نہ چھوڑے گی۔ کیونکہ اندرونی طور پر تو تسلیم کرتی ہے کہ یہ اداکاری حرام ہے۔ لیکن پھر بھی تو اس کو اپنے نفس کے لیے پسند کرتی ہے جبکہ نفس تو برائی کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے۔ پھر آخر کار تو اُسی چیز کو مضبوطی سے اپنائے ہوئے ہے جو تجھے ہرگز نفع نہ دے گی۔

مجھے اس شعور اور سوچ نے گھبراہٹ میں ڈال دیا کیونکہ میں اداکاری کو بہت

---

[1] ہماری مسلم پود کے ساتھ شیطان یہی کرتا ہے کہ ان کو فن اور اداکاری کی طرف لگایا جاتا ہے تاکہ وہ اللہ واحد کی عبادت اور جہاد فی سبیل اللہ سے منہ پھیر لے کہ جس کے لیے اُسے پیدا کیا گیا ہے۔ ہمیں اس بات کی سمجھ کب آئے گی۔

پسند کرتی تھی۔ میں یہ سمجھتی تھی کہ اس کے بغیر میں زندہ نہ رہ سکوں گی۔ اسی دوران مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں (فلمی دنیا سے) علیحدگی کی راہ اختیار کر لوں اور پھر دوبارہ اس طرف لوٹ آؤں تو میرے لیے سخت عذاب کی بات ہو گی۔

بہرحال! میں اپنے گھر آ گئی اور آہستہ آہستہ شفاء پانے لگی۔ الحمدللہ! میری دائیں ٹانگ آہستہ آہستہ بہت حد تک ٹھیک ہونے لگی۔ پھر اچانک بغیر کسی احساس کے دردیں میری بائیں ٹانگ کی طرف منتقل ہو گئیں۔ اس سے قبل مجھے اپنی کمر میں بھی دردیں محسوس ہوتی تھیں۔ ڈاکٹروں نے مجھے قدرتی اور غیر مصنوعی علاج کی تجویز دی۔ کیونکہ چارپائی پر لیٹے رہنے کے نتیجہ میں میرے اعصاب ڈھیلے ہو گئے تھے۔ مجھے یہ بات بہت پریشان کئے ہوئے تھی کہ "خون بستہ" (بندش خون) بائیں ٹانگ میں پہلے "خون بستہ" سے بھی سخت اور شدید صورت میں آ گیا ہے۔

ڈاکٹر نے میرے لیے دوا لکھی۔ میں نے اپنے جسم میں بہت ہی شدید قسم کی دردیں محسوس کیں۔ شریانوں میں اس "خون بستہ" کے علاج کے لیے میں ایک اور بہت سخت انجکشن بھی لگوا رہی تھی۔ لیکن مجھے ٹھیک ہونے کا احساس نہ ہوا بلکہ میری حالت اور زیادہ بگڑ گئی۔ وہاں میں نے محسوس کیا کہ میں تیزی سے گر رہی ہوں ...... میری سانسیں ختم ہو رہی ہیں ...... میں نے اپنے اردگرد کی ہر چیز کو حیران و خاموش صورت میں دیکھا ...... اچانک میں نے سنا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا تھا تو لا الہ الا اللہ پڑھ۔ کیونکہ اب تو اپنی آخری سانسیں لے رہی ہے "تو میں نے اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اللّٰه پڑھا۔ میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اسی لمحہ میں نے اپنے دل میں بات کی، میں نے کہا: تُو جلد قبر میں اترے گی، تُو اللہ اور دارِ آخرت کی طرف کوچ کر جائے گی تو اللہ تعالیٰ کا سامنا کیسے کرے گی جبکہ تو نے اُس کے حکموں پر عمل نہیں کیا۔ تو نے تو اپنی زندگی اظہارِ زینت اور اداکاری کے مراحل میں بے حیائی کی جگہوں پر گزار دی ہے، تُو بوقت حساب کیا کہے گی؟ کیا تو یہ کہے گی کہ مجھے شیطان نے ہرا دیا تھا!!؟

جی ہاں! میں نے موت کو بالفعل اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا تھا۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ ہم سب لحہ موت کو جان بوجھ کر بھلائے ہوئے ہیں۔ اگر ہر انسان اس لحہ کو یاد رکھے تو یقیناً وہ روزِ حساب کے لیے عمل کرے گا۔ لازم ہے کہ ہم دینی ثقافت کو اپنائیں تاکہ ہم صرف وراثتاً مسلمان نہ رہیں بلکہ عملی طور پر مسلمان بن جائیں۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم گہرائی سے قرآن حدیث اور فقہ کو پڑھیں لیکن افسوس ہے کہ ہمیں دینی طور پر جہالت ہی نظر آرہی ہے۔ معاشرے کو دینی بنانے کے لیے ہر شعبے کو درست کرنا ضروری ہے۔ یہ ایک دو منصوبوں سے بات پوری نہ بنے گی۔

مختصراً: اُن لمحات میں میں اپنے نفس کا تیزی سے محاسبہ کرنے لگی (اللہ کریم سے اداکاری کا گناہ ترک کرنے کا وعدہ کرنے کے بعد) پھر اچانک میں نے محسوس کیا کہ میری سانسیں لوٹ آئی ہیں۔ میں اپنے گرد کھڑے ہر فرد کو واضح شکل میں پہچاننے لگی۔ میرے خاوند کا چہرہ بہت سرخ ہو گیا تھا۔ وہ شدت سے رویا تھا۔ میرے باپ کی حالت قابل رحم ہو گئی تھی۔ رہی میری والدہ تو وہ کمرے کے ایک کونے میں کھڑی ہو گئی تھی' وہ صرف نماز پڑھتی اور اللہ سے دعا کرتی تھی۔

میں نے ڈاکٹر سے پوچھا: "کیا ہوا ہے؟"

اُس نے کہا: "اپنے پروردگار کی حمد و تعریف بیان کر' تجھے تو نئی زندگی مل گئی ہے۔

میں اس واقعہ پر غور کرنے لگی جو مجھ پر گزرا تھا۔ اِردگرد موجود افراد کے ساتھ ساتھ میں نے ڈاکٹروں کو وقتی طور پر فراموش کر کے ان کی موجودگی سے بالکل بے خبر ہو گئی۔ میں نے زندگی کے متعلق غور کیا؟ یہ کتنی ہے۔ تھوڑی سی۔ تھوڑی سی۔ لیکن وہ ہم سے اپنا پورا حق نہیں لے پاتی۔ میں نے طے کر لیا کہ میں (اداکاری چھوڑ کر) پردہ اوڑھ لوں گی' میں اپنے گھر اور بچوں کی خدمت میں رہوں گی۔ ان کی اچھی نشوونما کے لیے فارغ ہو جاؤں گی۔ ایک مسلمان عورت کے لیے یہی سب سے عظیم

فریضہ ہے۔

اِس طرح ہالہ اپنے رب کی طرف لوٹ آئی۔ اُس نے اپنے آخری فیصلے کا اعلان کر دیا کہ وہ پیشۂ اداکاری سے الگ ہو گئی ہے۔ یہ ایک ذلیل پیشہ ہے جس نے اسے عورت سے ایک سستی سی گڑیا اور کھلونا بنا دیا' جس سے شہوت پرست اور دنیا کے غلام کھیلا کرتے ہیں۔ ہاں یہ ہے کہ یہ فیصلہ ان تاجروں (یعنی جنس کے تاجروں اور فلموں پر پیسہ لگانے والے سرمایہ کاروں) کو اچھا نہ لگا۔ اُنھوں نے اس کو پاگل پن کا طعنہ دیا۔ اور کہنے لگے کہ اس نے بیماری کے سبب اداکاری چھوڑ دی ہے کیونکہ اب وہ کام جاری رکھنے کے قابل ہی نہیں رہی۔

وہ اُن کے جواب میں کہتی: جہانِ فن میں مجھ سے زیادہ عزت اور شہرت والے لوگ موجود ہیں۔ جو تکلیف مجھے پہنچی ہے اس سے کہیں سخت تکالیف اُن کو پہنچی ہیں۔ لیکن انہوں نے تو ایسا فیصلہ نہیں کیا۔ (مطلب یہ ہے کہ بیماری آنے کے باوجود ان کو توبہ کی توفیق نہ مل سکی)

عجب بات ہے کہ دنیائے فن (فلمی دنیا) میرے اس فیصلے کے سامنے دو حصوں میں بٹ گئی۔ بعض نے مجھے مبارک باد پیش کی جبکہ بعض نے مجھے پاگل ہونے کا طعنہ دیا۔ اگر اللہ کے احکامات کی فرمانبرداری پاگل پن ہے تو میں بے اختیار اقرار کرتی ہوں کہ ہاں ہاں میں پاگل ہی بھلی ...... اور ہاں میں سب دنیا کو اس پاگل پن کی دعوت دیتی ہوں' جسے میں نے اپنایا ہے (توبہ سے پہلے کے اپنے حالات کے حوالہ سے) [1]

---

[1] العائدون الی اللہ (ص ۲۳ تا ۲۷)

شراب اور سود چھوڑنے کا انعام

ایک نوجوان نے ایک عالم دین کا خطبہ سن کر شراب نوشی اور حرام مال سے توبہ کر لی۔ یوں وہ اپنے خاندان سے کنارہ کش ہو گیا لیکن خاندان والے اپنی ڈگر پر جمے رہے۔ اس نوجوان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی' وہ اپنے مصمم ارادے پر ڈٹا رہا..... اللہ تعالیٰ نے یوں انعام بخشا کہ اس کے سارے خاندان کو دولت ہدایت سے مالا مال کر کے اس کے ساتھ ملا دیا۔

عرب کے ایک مکمل خاندان جن کی گزرانِ زندگی حرام پر تھی۔ وہ حرام کھاتے تھے۔ اللہ نے فیصلہ فرمایا اور اُن کے ایک فرزند کو ہدایت دے دی۔ وہی پورے خاندان کی ہدایت کا سبب بنتا ہے۔ وہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

میں ایک نوجوان ہوں میں نے اپنے باپ کے ساتھ قاہرہ کے ایک پوش محلہ میں پر آسائش زندگی گزاری۔ رواجی طور پر دستر خوان پر شراب پیش کی جاتی تھی۔ مجھے مکمل طور پر معلوم تھا کہ میرے باپ کی آمدنی تمام حرام ذرائع سے ہے' خصوصاً سود سے ہے۔ ہمارے گھر کے پڑوس میں ایک بڑی مسجد تھی جس میں وعظ کرنے والے عالم دین کا نام ابراہیم تھا۔

ایک دن میں اپنے گھر کے بالاخانے پر بیٹھا تھا' عالم دین گفتگو کر رہا تھا' میں نے سنی تو مجھے اس کی باتیں اچھی لگیں۔ میں بالاخانے سے اُتر آیا اور مسجد میں چلا گیا۔ میں نے محسوس کیا کہ جیسے میری تمام کھال کھینچ لی گئی ہے اور میں کوئی اور ہی چیز بن گیا ہوں۔

وہ عالم دین رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے حوالے سے گفتگو فرما رہے تھے کہ "جو کوئی جسم حرام سے پلا ہو تو آگ اُس کی زیادہ حقدار ہے۔ میں نے اپنے دل

میں ارادہ کیا کہ اب میں گھر داخل نہیں ہوتا۔ اور نہ وہاں سے کچھ کھاؤں گا۔ میں گھر سے اندر اور باہر ہونے لگا۔ میں اپنے گھر والوں سے دور بیٹھنے لگا۔ میں نے اپنے آگے پنیر کا ایک ٹکڑا اور کچھ مرچیں رکھ لیں۔ میرے اہل خانہ کے آگے ہر وہ چیز تھی جس کی دل چاہت کرتا ہو۔ میری ماں میری وجہ سے اور میرے رویہ کی بنا پر اور دکھ سے مرنے کے قریب تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ میں ان کے ساتھ کھاؤں لیکن میں نے انکار کر دیا۔ میں نے اسے سمجھایا کہ میرے باپ کا مال حرام ہے نیز سب حرام کھاتے اور پیتے ہیں۔ میری ماں میرے ساتھ مل گئی اس نے نماز کی پابندی شروع کر دی۔ اس کے بعد میری بہن میرے ساتھ مل گئی۔ رہا میرا باپ تو وہ اپنے فعل پر ڈھٹائی اور تکبر سے مصر رہا۔ میں اپنے باپ کے ساتھ ادب واحترام کے ساتھ پیش آتا تھا۔ میں، میری ماں اور میری بہن ہم سب اپنے باپ کے لیے باقاعدگی سے دعاء میں محنت کرنے لگے۔ میں رات کو اٹھتا تو اپنی ماں اور بہن کو رونا اور ان کا اللہ کے حضور گڑگڑانا سنتا۔ کہ وہ میرے باپ کو ہدایت دے دے۔ ایک دن کی صبح کو میں بیدار ہوا تو اپنے باپ کو دیکھتا ہوں کہ اس نے گھر میں موجود تمام اقسام کی شرابوں سے جان چھڑالی ہے۔ پھر وہ زار وقطار رونے لگا۔ مجھے اپنے سینے سے لگایا اور کہنے لگا "عنقریب میں ان تمام چیزوں سے چھٹکارا پالوں گا جو اللہ کو غضب دلائیں" اور جب نماز کا وقت آیا میں نے اپنے والد کو ساتھ لیا اور ہم مسجد چلے گئے۔ وہ عالم دین کے مفید خطبے سننے لگا۔ نتیجتاً الحمدللہ یوں وہ سود سے اور شرابوں سے چھٹکارا پا گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارا گھر نیکیوں سے بھرپور ہو گیا ہے۔[1]

---

[1] العائدون الی اللہ (ص ۶۹، ۷۰)

حرام نوکری چھوڑنے کا انعام

س۔ ع ایک اردنی نوجوان ہے۔ وہ اس ملک میں کام کی تلاش میں آیا تھا۔ اُسے کام مل گیا۔ لیکن اُسے ایک اور چیز بھی مل گئی جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اُسے ہدایت مل گئی' اُس نے ایمان کی مٹھاس پا لی۔ وہ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

میں ایک اُردنی نوجوان ہوں' میں سعودیہ (تبوک) میں کام کی تلاش میں آ گیا' میں اُس وقت حقیقی مسلمان نہ تھا' میں تو وراثتاً مسلمان تھا جیسا کہ اِس پر آشوب دور میں بہت سے مسلمانوں کی حالت ہے۔

شروع میں میں ایک ہوٹل میں کام کرتا تھا۔ پھر ہوٹل والے نے مجھے کہا کہ میں اُس کے لیے ایک اور کام ویڈیو کیسٹ بیچنے کی دوکان پر کام کروں۔ آپ کو کیا معلوم کہ ویڈیو کیسٹیں کیا ہوتی ہیں۔ اُن (سب) میں یا کم از کم بیشتر میں کس قدر بے حیائی اور جرائم ہیں۔ میں نے اس دوکان پر تقریباً پانچ سال کام کیا۔ یہ تبوک میں ویڈیو کی بہت مشہور دوکان ہے۔ چوتھے سال ایک رات کو خوش رو اور روشن چہرے والا ایک نوجوان دوکان میں داخل ہوا۔ اُس پر نیکی اور پابندی کی علامات واضح تھیں۔ تعجب ہے یہ نوجوان کیا لینے آیا ہے۔ (یہ) میں نے اپنے دل میں کہا۔ اس نوجوان نے اپنا ہاتھ بڑھایا مجھ سے، اُس نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ اس کی متین اور سنجیدہ چہرے پر عمدہ رونق تھی جو دل کو موہتی اور وحشت کو دور کرتی تھی۔ دل کے اُن پردوں کو چیرتی تھی جو ہمیشہ سے رکاوٹ بنے کھڑے تھے اور خیر و بھلائی کو دل تک پہنچنے سے روکتے تھے جن کی سخت ترین ضرورت ہے۔ اُس نے مجھے بلیغ نصیحت کی' مجھے اس طرح کے غیر شرعی اور خلاف اسلام کام کے انجام سے ڈرایا نیز اس سے معاشرے کی بربادی کس قدر لازم آتی ہے۔ معاشرے کے افراد میں برائیاں پھیلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ عنقریب

روزِ قیامت اِس پر مجھ سے حساب لیں گے۔ اپنی بات سے فارغ ہونے کے بعد اُس نے مجھے "کرامات مجاہدین" کے حوالہ سے شیخ تمیم العدنانی کی ایک کیسٹ بطور تحفہ دے دی۔ میں اکیلا رہتا تھا' قاتل تنہائی میرے درپیش تھی۔ میں گانے سن سن کے اور فلمیں دیکھ دیکھ کر اُکتا چکا تھا۔ مجھے فرصت نے اس کیسٹ کے سننے پر مجبور کر دیا جس میں کرامات مجاہدین کی گفتگو تھی۔ میں اُس کو سن کر فارغ ہوا تو مجھ پر خوف اور ندامت طاری ہو گئی۔ مجھ پر اپنی حقیقت حال اللہ سے غفلت اور اپنے پروردگار کے سامنے کوتاہیاں کھل گئیں۔ میں مسلسل روتا گیا۔ میں بہت سخت رویا جیسے کوئی چھوٹا بچہ شدتِ شرمندگی پر روتا ہے۔ شیخ اُن لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو جہاد کے لیے وقف کر دیا ہے۔ شیخ نے گفتگو کی۔ مجاہدین کی کرامات اور اُن کی بہادریاں بتائیں۔ یہ لوگ پہاڑوں کی چوٹیوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ لا الہ الا اللہ کا جھنڈا بلند کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنی ذاتوں کو اللہ کے لیے بیچ دیا ہے۔ انھوں نے اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر رکھا ہوا ہے تاکہ اُن کو آسانی سے اللہ کی راہ میں پیش کر دیں۔ میں اُن لوگوں کے درمیان جو برائیاں اور گندگی پھیلا رہے ہیں اور اُن کے درمیان موازنہ کرنے لگا جو چوپایوں کی سی زندگی گزار رہے ہیں جن کو اپنی نفسانی خواہشات پوری کرنے کے سوا کوئی فکر نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ پریشان کن بات یہ تھی کہ بارہ برس سے میری عمر ضائع اور جرم میں گزر رہی تھی اور میں نے اِس دوران اللہ کے لیے ایک رکعت بھی نہ پڑھی تھی۔ اس رات میں دوبارہ پیدا ہو گیا تھا۔ میں ایک نئی مخلوق بن گیا تھا جس کا پچھلی مخلوق سے کوئی تعلق نہ ہو۔ سب سے پہلی چیز جس پر میں نے سوچا کہ وہ یہ تھی کہ اس ویڈیو کیسٹوں کی فروخت والے کام سے چھٹکارا کیسے حاصل کروں؟ اور کوئی ایسا شرافت والا کام ڈھونڈھا جائے جو اللہ عز و جل کو راضی کر دے۔

لیکن کیا میں اپنی جان بچا لوں اور لوگوں کو گمراہی اور تباہی میں چھوڑ دوں؟ میں نے سوچا کہ ویڈیو کی دوکان پر ایک سال مزید کام کروں لیکن یہ گزشتہ سالوں کی طرح نہیں۔ میں اس سال دوکان پر آنے والے ہر شخص کو ان فلموں کے نقصانات کی بات سمجھاتا۔ اور ان میں اللہ کا حکم واضح کرتا۔ اس امید سے کہ اللہ میرے پچھلے گناہ بخش

دے اور میری توبہ قبول فرما لے۔ چند دن نہ گزرے تھے کہ ماہِ رمضان آگیا۔ آپ کو کیا معلوم ماہِ رمضان کیا ہے۔ وہ ماہِ رحمت و غفران ہے۔ یہ جو مہینہ ہے اِس کی مٹھاس اور روحانیت کا مجھے اِس سال ہی شعور ہوا جس میں اللہ نے مجھ پر ہدایت کا احسان فرمایا تھا۔ میں تلاوتِ قرآن پر متوجہ ہو گیا تھا اور مفید کیسٹیں سننے پر، مثلاً: خطبے، دروس اور تقاریر۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے دو کیسٹیں سنی ہیں، جتنا ان دونوں کا اثر ہوا اتنا مجھے کسی سے نہ ہوا تھا۔ اور وہ ہیں المورعی کی لذتوں کو توڑنے والی اور تذکرۂ جنت اور دوزخ۔ رہا کام! تو جس دوکان میں میں کام کرتا تھا اُسی کے ساتھ ہی اسلامی کیسٹوں کی فروخت و ریکارڈنگ کی ایک اور دوکان تھی۔ میری آرزو تھی کہ میں اسی دوکان پر کام کروں۔ جب پانچواں سال گزر گیا۔ میں نے اللہ کے غضب اور اس کی لعنت کے ڈر سے ویڈیو کی دوکان چھوڑ دی۔ میں دو مہینے تک بغیر کام کے رہا، تاآنکہ اللہ نے میری آرزو پوری کر دی اور میرے لیے اسلامی ریکارڈنگ کی ایک اس دوکان پر کام کرنا ممکن کر دیا۔ ان دونوں کاموں کے مابین کتنی دوری ہے؟ رہا دوکان کا مالک تو ہم اُسے سمجھانے اور اللہ کے نام سے نصیحت کرنے لگے۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اُس نے بات مان لی اور دوکان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے چھوڑ دیا۔ اور ویڈیو کے کام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔ میں یاد کرتا ہوں کہ میں تبدیلی کے مرحلے میں ہوں فساد کے آنگن سے ایمان کے آنگن کی طرف۔ ان سب عوامل نے میرے ایمان اور حق پر میری ثابت قدمی میں اضافہ کر دیا۔ آخر میں...... میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے اور آپ کو اپنے دین پر ثابت قدم رکھے۔ نیز میں یہ بھی دعاء کرتا ہوں کہ جو کچھ میں نے کہا اِسے وہ ہر غافل کے لیے عبرت و نصیحت بنا دے۔ خوش نصیب سعادت مند وہ ہے جو دوسرے سے عبرت پکڑے۔ (س۔ع تبوک) [1]

---

[1] العائدون الی اللہ ص ۸۰ تا ۸۴۔

"د" کی تلاش

عرب کی فلمی دنیا کے بے تاج بادشاہ نے جب اس مصنوعی رنگوں روشنیوں کی دنیا کی چکاچوند کو خیرباد کہہ کر اپنی زندگی کو دین اسلام اور دعوت الی اللہ کے فریضے کے موتیوں سے مزین کر لیا تو اللہ کریم نے اسے اس نعمت و انعام سے مالا مال کر دیا کہ جس کی تلاش میں وہ ایک عرصے سے سرگرداں تھا۔

ام القریٰ مکہ (شرفها الله) میں' بیت اللہ الحرام کے پڑوس میں اور رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں سابق اداکار اور موجودہ داعی اسلام برادر سعید الزیانی نے ہمیں اللہ کی طرف رجوع اور صراط مستقیم کی طرف اپنی ہدایت کا واقعہ بیان کیا۔ انہوں نے کہا:

میں نے ایک مسلمان گھرانے میں پرورش پائی۔ جب میں جوانی کی عمر کو پہنچا میں خواب دیکھنے لگا (جیسے جوانی میں قدم رکھنے والے دیگر جوان دیکھا کرتے ہیں) کہ مجھے دو چیزیں مل جائیں جو اس وقت میری نظر میں اہم تھیں' وہ ہیں شہرت اور مال و دولت میں خوش نصیبی ڈھونڈھا کرتا تھا اور اس کے حصول کے لیے کوشش کرتا تھا' وہ جس طریقے سے بھی ہو۔ شروع شروع میں مَیں مغربی ریڈیو سے منسلک ہو گیا۔ میں وہ چند فقرات پیش کرنے لگا جو ریڈیو پروگراموں کے درمیان میں ربط کے لیے ہوتے ہیں۔ پھر میں آگے بڑھا اور خاص پروگرام پیش کرنے لگا حتیٰ کہ مجھے اس میدان میں کافی تجربہ حاصل ہو گیا۔ پھر میں ٹیلی وژن کی طرف متوجہ ہو گیا اس میں مَیں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ پیش کار (پروگرام چلانے) میں مَیں اول درجہ کو پہنچ گیا۔ یہی سب سے اعلیٰ درجہ ہوتا ہے جو کوئی پیش کار یا اناؤنسر حاصل کرتا ہے۔ میں خبریں پڑھنے لگا۔ میں بہت سے رات کے پروگرام متفرقات اور نوجوانوں کے پروگرام کرنے

لگا۔ میں نے تھوڑے ہی عرصہ میں بہت بڑی شہرت پالی' جو مجھ سے پہلے کسی نے نہ پائی تھی۔ میرا نام ہر زبان پر آ گیا۔ میری آواز ہر گھر میں سنی جانے لگی۔ اِس شہرت کے علی الرغم میں اس میں صاحب سعادت نہ تھا۔ میں اپنے دل میں بہت تنگی محسوس کرتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا شاید گانے میں مجھے خوش بختی مل جائے۔ عملی طور پر میری خوش قسمتی ہوئی کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر جو میری شہرت تھی اس نے مجھے مدد دی کہ میں ٹیلی ویژن کے پروگراموں کے درمیانی وقفوں میں چھوٹے چھوٹے گانے پیش کروں۔ فن گلوکاری میں یہ میرا آغاز تھا۔

میں جہانِ گلوکاری میں آ گیا تو اس میدان میں بھی میں نے بہت شہرت کمائی' بازاروں میں چند نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں گانے کی کیسٹیں آ گئیں' جنہیں میں نے اپنی آواز میں ریکارڈ کیا تھا۔ اس سب کے علی الرغم۔ میں بدحالی اور بد نصیبی محسوس کرتا تھا۔ مجھے اکتاہٹ اور دل کی تنگی محسوس ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ سچ ہی فرماتے ہیں:

﴿ فَمَنْ يُرِدِ اللّٰهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَ مَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ ﴾

میں نے اپنے دل میں کہا "خوش بخت اور خوش نصیب تو اداکار اور اداکارائیں ہوتی ہیں' میں بھی اس خوش بختی میں ان کا شریک بن جاؤں۔ میں نے اداکاری کا رخ کر لیا تو میں اول درجہ کا اداکار بن گیا۔ میں اپنی تمام اداکاری میں جو کچھ پیش کرتا تو اس میں بہادری کے رول ادا کرتا تھا۔ درحقیقت بلا مبالغہ میں اپنے ملک کا منفرد اور نمایاں شخص بن چکا تھا۔ میں مہنگی ترین اور عمدہ ترین کاروں پر سواری کرتا۔ میں بہت قیمتی لباس پہنتا تھا۔ میرا معاشرتی مقام بلند ہو چکا تھا۔ میرے دوست حکمرانوں وغیرہ میں سے بڑی بڑی شخصیات تھیں۔ میں محلات میں بلا روک و ٹوک ہی آتا جاتا تھا' ایک محل سے دوسرے محل میں۔ میرے لیے دروازے کھولے جاتے تھے' گویا کہ ان محلات کا میں ہی مالک ہوں۔ لیکن اس سب کے علی الرغم میں محسوس کرتا تھا کہ میں

اس سعادت تک نہیں پہنچا جس کو میں ڈھونڈھ رہا تھا۔

ایک دن ایک صحافی نے میرا طویل انٹرویو کیا۔ سوالات کے دوران ایک سوال اس نے مجھ سے یہ کیا:

"فن کار سعید الریانی صاحب! یہ اتفاقات میں سے ہے کہ آپ کا نام آپ کی زندگی پر صادق آتا ہے۔ آپ کا نام سعید ہے اور آپ واقعی سعید (خوش بخت) و کامیاب ثابت ہوئے ہیں' تو آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: "درحقیقت جو آپ سمجھتے ہیں اور ایسے ہی بہت سے اور لوگ بھی سمجھتے ہیں' یہ بات درست نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی میں سعید (خوش بخت) نہیں ہوں۔ میرا نام ہمیشہ سے ہی ناتمام رہا ہے۔ یہ تین حرفوں سے بن رہا ہے یعنی س' ع' اور ی۔ یہ سعی (کوشش) ہے۔میں ہمیشہ سے سعی (کوشش) کر رہا ہوں۔ اور چوتھا حرف ڈھونڈھ رہا ہوں جو کہ "د" ہے۔ تاکہ میرا نام پورا ہو جائے اور میری سعادت تمام ہو جائے۔ اب تک تو میں اس حرف کو نہیں پا سکا اور جب پالوں گا فوراً آپ کو بتا دوں گا۔" جب میرا یہ انٹرویو ہوا تھا ان دنوں میں شہرت اور مالداری کی چوٹی پر تھا۔

دن' مہینے اور سال گزرتے گئے ...... میرا ایک حقیقی بھائی تھا جو عمر میں مجھ سے بڑا تھا۔ وہ بلجیئم میں رہائش لے گیا۔ وہ بڑا سخت آدمی تھا لیکن پابندی او استقامت میں مجھ سے زیادہ تھا۔ لوگ بلجیئم میں اس کی ملاقات بعض مسلمان واعیوں سے ہوگئی' وہ ان سے متاثر ہو گیا اور ان کے ہاتھوں وہ اللہ کی طرف لوٹ گیا۔ (یعنی اس نے اپنی زندگی میں گناہ چھوڑ کر نیکیوں کو اپنا لیا اور اپنی اصلاح کر لی) ایک مرتبہ میں نے پروگرام بنایا کہ میں بلجیئم کا سیاحتی سفر کروں جہاں اپنے بھائی سے ملوں۔ وہاں سے عزت سے روانہ ہو جاؤں' پھر اپنا سفر دنیا کے مختلف علاقوں کی طرف مسلسل جاری رکھوں۔

میں بلجیئم کی طرف سفر کر گیا' وہاں اپنے بھائی سے ملا۔ لیکن ناگہاں مجھے حالات بدلے ہوئے نظر آئے۔ اس کی زندگی میں بہت بڑا تغیر آ چکا تھا۔ اس سے بھی اہم وہ

سعادت جو اس کی زندگی اور گھر میں پھیلی ہوئی تھی۔ جو کچھ میں نے دیکھا اس سے میں بہت متاثر ہوا۔ مزید وہ مضبوط تعلقات جو اس شہر میں مسلمان نوجوان کے مابین ربط رکھے ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا۔ انہوں نے مجھے اچھے انداز میں خوش آمدید کہا۔ انہوں نے مجھے اپنی مجالس اور اجتماعات میں شامل ہونے اور قولی انداز میں باہم تعارف پر توجہ دی۔

میں نے ان کی دعوت قبول کر لی۔ اب میں ایک عجیب شعور محسوس کرتا جب میں ان کی مجلس میں بیٹھتا۔ میں محسوس کرتا کہ کوئی سعادت مجھ پر طاری ہو رہی ہے جو اس سے پہلے میں نے محسوس نہ کی تھی۔ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ میں نے اپنی چھٹیاں بڑھا لیں تاکہ یہ سعادت جاری رہے' جو میں نے بہت دفعہ ڈھونڈھی لیکن مجھے نہ ملی تھی۔ اس طرح ان نیکیوں کے ساتھ میں سعادت محسوس کرنے لگا جو دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ سینے کی تنگی' دکھ اور بدنصیبی دن بدن کم ہوتی جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ میرا سینہ نور ایمان سے بھر گیا۔ میں نے اللہ کریم کی طرف راہ پہچان لی جس سے میں اب تک گم راہ تھا باوجودیکہ میرے پاس مال' دولت اور شہرت تھی۔ میں نے اس لمحہ محسوس کیا کہ خوش بختی (سعادت) اس جانے والے مال میں نہیں ہے یہ تو صرف اللہ عزوجل کی فرمانبرادری میں ہے' ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى فَلَنُحْيِيَنَّه حياةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (النحل ۱۶/۹۷)

"جو بھی ایمان کے ساتھ نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت' ہم (دنیا میں) اس کی زندگی' پاک زندگی[1] کریں گے۔ تو اپنے لوگوں کو ہم (قیامت

---

[1] پاک زندگی میں حلال روزی' قناعت' سچی عزت' سکون و اطمنان' دل کی تونگری' اللہ کی محبت اور لذت سبھی چیزیں شامل ہیں۔ مطلب یہ کہ ایمان اور عمل صالح سے اخروی۔زندگی ہی نہیں بلکہ دنیوی زندگی بھی نہایت سکھ اور چین سے گزرے گی۔ شوکانی (اشرف الحواشی ص ۳۳۴ ۔ف ۱۰)

کے دن) ضرور ان کے اچھے کاموں (عملوں) کا بدلہ دیں گے۔"

اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَ نَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى ﴾

"اور جس نے میری کتاب (قرآن) سے منہ موڑ لیا تو (دنیا میں) اس کی زندگی تنگ (گزرے گی) [1] اور قیامت کے دن ہم اس کو اندھا کر کے اٹھائیں گے۔"

میری مختصر سی لی گئی چھٹیاں اپنے بھائی کے پاس دو سال سے زائد تک چلی گئیں ۔ میں نے اس صحافی کو خط لکھا جس نے مجھ سے گزشتہ سوال کیا تھا۔ میں نے اس کو کہا:

برادر ...... رئیس تحریر شعبہ ..... اخبار .....

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

میں نے چاہا کہ آپ کو وہ سوال یاد دلاؤں جو آپ نے مجھ سے سعادت کے متعلق پوچھا تھا اور یہ بروز ...... بتاریخ تھا ...... اور میں نے آپ کو درج ذیل .... جواب دیا تھا۔ اور آپ سے وعدہ کیا تھا کہ جب مجھے حرف (د) مل جائے گا تو میں آپ کو بتاؤں گا۔ اب مجھے اچھا لگ رہا ہے' مجھے خوشی اور مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ مجھے حرف (د) مل گیا ہے' جو میرے نام کو پورا کرنے والا ہے' جسے میں نے دین اور دعوت میں پایا ہے۔ اور اب میں درحقیقت سعید بن گیا ہوں۔

یہ خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ دین کے دشمن اور منافق لوگ میرے متعلق باتیں

---

[1] یعنی اسے دنیا میں سکھ اور چین نصیب نہ ہو گا چاہے بظاہر کروڑ پتی بلکہ ارب پتی ہی کیوں نہ ہو۔ (اشرف الحواشی)

چھوڑنے لگے۔ مجھ پر الزام لگانے لگے۔ کسی نے کہا: ”سعید کی عقل ماری گئی ہے اور یہ پاگل ہو گیا ہے۔“ کسی نے کہا ”یہ امریکہ یا روس ...... کا ایجنٹ بن گیا ہے۔“ اور اسی طرح دیگر خود غرضی کے اعتراضات۔ میں ان اعتراضات کو غور سے سنتا اور ہمیشہ اس بات کو یاد رکھتا کہ انبیاء ' رسل اور دعاۃ کی ہر زمانہ میں مخالفت کی گئی' ان سب سے بڑھ کر ہمارے نبی محمد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی۔ تو میری ثابت قدمی ایمان اور یقین اور بھی بڑھ جاتا۔ میں اللہ سے ہمیشہ دعا کرتا ہوں:

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴾ (آل عمران: ۳۰/۸)

”اے ہمارے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرو (یعنی ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ڈانواں ڈول مت کر) اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے“[1]

---

[1] العائدون إلی اللہ (ص ۴۰ تا ۴۲)

حرام سفر کو چھوڑا سفر شہادت مل گیا

ان دو نوجوانوں کا واقعہ جنہوں نے ائر پورٹ پر ایک بزرگ کی نصیحت پر حرام سفر کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ یورپی ممالک (جہاں وہ "مزے" لوٹنے جا رہے تھے) کی ٹکٹیں پھاڑ ڈالیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کے عوض مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کا سفر عطا کردیا ...... اور پھر اس مبارک سفر کو سفر شہادت میں تبدیل کر دیا۔ سبحان اللہ العظیم۔

"معزز مسافران کی موجودگی میں۔ پرواز نمبر...... جو جارہی ہے ...... کی طرف الوداعی ہال کی طرف چلیے سفر کی تیاری ہے۔"

ائر پورٹ کی عمارت میں یہ آواز گونج رہی تھی۔ ایک عالم دین وہاں ہال میں بیٹھا تھا۔ اس نے اپنے بیگ تھامے۔ اس نے اللہ عزوجل کی وسیع سرزمین کے ممالک کی طرف "اللہ کی طرف دعوت دینے کے لئے سفر کرنا تھا۔ اس نے جب یہ آواز سنی تو جانے والے افراد پر نظر ڈالتے ہی اس کے دل سے ایک ہوک اٹھی اسے معلوم کرنا تھا کہ اکثر لوگ ان ممالک کے سفر پر کیوں جا رہے ہیں؟

خصوصاً نوجوان طبقہ۔ اچانک اس عظیم عالم کی نظر دو خوبرو نوجوانوں پر جا کر ٹھہر گئی' جن کی عمر بیس سال یا اس سے کچھ زیادہ تھی۔ ان کے ظاہری طور اطوار سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ دونوں ان ممالک حرام (یعنی مغربی و یورپی ممالک) کی طرف محض "مزے" کے لیئے جا رہے ہیں' جہاں یہ عام ہے۔

"وقت گزر جانے سے پہلے ان کو بچانا بہت ضروری ہے۔" عالم نے یہ بات اپنے دل میں کہی۔ تو اس نے ان کے پاس جانے اور ان دونوں کو سمجھانے کا ارادہ کر لیا۔ شیطان ان (عالم دین) کے سامنے آگیا اور کہنے لگا "تجھے ان دونوں سے کیا سروکار ہے؟ان کو چھوڑ کہ وہ اپنی راہ پکڑیں' وہ اپنی زندگی کو خوشگوار بنالیں۔ بے شک وہ

دونوں تیری بات ہرگز نہ مانیں گے۔"

لیکن عالم کا ارادہ پختہ تھا۔ اس کا دماغ کام کر رہا تھا۔ اسے شیطان کی دخل اندازیوں اور اس کے وسوسوں کا علم تھا۔ باہر نکلنے والے دروازے پر ان دونوں کو پالیا اور سلام کہنے کے بعد عالم نے ان سے چند منٹوں کے لیے رکنے کی درخواست کی۔ پھر ان کو (قرآن وحدیث کی روشنی میں) بہت پُر اثر نصیحت کی اور ان کو بلیغ وعظ کیا۔ ان دونوں کو آپ نے کہا:

"تمہارا کیا خیال ہے اگر ہوائی جہاز کو کوئی خرابی یا حادثہ پیش آجائے ...... اور اللہ نہ کرے تم دونوں کو موت آجائے ...... جبکہ اس دوران تمہاری نیت اور عزم یہی ہو کہ تم نے رب جبار (جل وعلا) کی نافرمانی کرنی ہے' تو تم کس منہ سے روز قیامت اپنے رب کے سامنے جاؤ گے؟؟ کیا جواب دو گے اسے کہ ہم اپنی جوانیوں کو کس کام میں صرف کرتے رہے ......!!؟

یہ سن کر دونوں جوان سوچ میں پڑ گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ ان کا دل عالم کی نصیحت کے لیے نرم ہو گیا۔ دونوں نے فوراً سفر کی ٹکٹیں پھاڑ ڈالیں۔ وہ بولے "اے بزرگ! ہم نے اپنے گھر والوں سے جھوٹ بولا تھا' ہم نے ان کو کہا تھا کہ ہم مکہ مکرمہ یا جدہ جا رہے ہیں۔ تو اب ہم اگر بغیر سفر کئے واپس چلے گئے۔ تو کیسے خلاصی ہو گی؟ ہم ان سے کیا کہیں گے؟ خاص طور پر جب وہ پوچھیں گے کہ تم ابھی گئے اور ابھی واپس آگئے ہو' تو کیا جواب دیں گے؟!! عالم کے ساتھ ان کا ایک شاگرد بھی تھا۔ فرمایا "تم دونوں اپنے اس بھائی کے ساتھ چلے جاؤ۔ تمہارے حالات کو حتی المقدور درست کرنے کی یہ ذمہ داری ادا کرے گا۔" وہ دونوں جوان اپنے اس ساتھی کے ساتھ چل پڑے۔ انہوں نے ارادہ کیا کہ ہم اس کے ہاں پورے دو ہفتے گزاریں گے اور پھر وہاں سے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں گے۔

اسی رات اس نوجوان (یعنی عالم کے شاگرد) کے گھر میں ایک مبلغ نے پر اثر تقریر کی' جس نے ان کے ایمانی جذبے میں اضافہ کر دیا۔ لہٰذا اس کے فوری بعد

دونوں جوانوں نے عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ جانے کا ارادہ کر لیا۔ اس طرح ان دونوں نے ایک چیز کا ارادہ کیا .... لیکن اللہ نے کسی اور چیز کا ارادہ کیا۔ پس وہی ہوا جو اللہ عز و جل نے ارادہ فرمایا تھا۔

صبح جب سب نے نماز فجر ادا کر لی تو تینوں میقات سے احرام باندھنے کے بعد سیدھا مکہ معظمہ کی طرف چل پڑے ...... راستے میں ہی ان کا کام تمام ہو گیا۔ عمر کی گھڑیاں رک گئیں ...... اور راستے میں زندگی کا خاتمہ ہو گیا .... راستے ہی میں ان کا دنیا سے دار آخرت کی طرف انتقال ہو گیا۔ (ان کو ایک خطرناک حادثہ پیش آ گیا...... وہ سب اس کا شکار ہو گئے ...... ان کے پاکیزہ خون بکھرے ہوئے شیشوں اور سکریپ کے ٹکڑوں کے ساتھ خلط ملط ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنی آخری سانسیں ان ٹکڑوں کے نیچے نکالیں .... جبکہ وہ خون میں لت پت اپنی زبانوں سے ان لافانی کلمات کو دہرا رہے تھے:

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ...... الخ ......

اور اس دلنواز صدا کو بلند کرتے ہوئے ان کی روحیں قفس عنصری سے پرواز کر گئیں۔

ان گندے ممالک کی ٹکٹوں کو پھاڑنے اور ان کی موت کے مابین کتنا وقفہ آیا؟ یہ چند دن ہی تھے بلکہ گنی چنی ہوئی گھڑیاں تھیں ۔ لیکن اللہ نے ان دونوں کے لیے ہدایت اور نجات کا ارادہ فرمایا تھا۔ بے شک اللہ کی حکمتیں بلیغ ہیں اور وہ پاک ذات ہے۔

میرے مسلمان بھائی! .... جب برائی کا حکم دینے والا نفس امارہ تجھے اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی کی طرف کھینچے تو تُو .... لذتوں کو توڑنے والی ...... شہوتوں کو کاٹنے والی .... جماعتوں کو جدا جدا کر دینے والی .... موت کو یاد کیا کر۔ اس بات سے ڈر کہ تجھے اس حال میں موت آئے جس پر اللہ بزرگ و برتر راضی نہ ہوں اور تُو گھاٹا پانے والوں میں سے ہو جائے۔

وَإِذَا خَلَوتَ بِرِيْبَةٍ فِي ظُلْمَةٍ
جب اندھیرے میں کسی برائی کے لیئے تجھے تنہائی ملے
وَالنَفْسُ داعِيَةٌ إِلَى الْعِصْيَانِ
اور نفس (امارہ) گناہ کی طرف دعوت دے رہا ہو
فَاسْتَحي مِن نَظرِ الإِلٰهِ وَقُلْ لَهَا
تو تُو اللہ سے حیاء کر اور نفس کو کہہ دے
إِنَّ الَّذِي خَلَقَ الظَّلَامَ يَرَانِي
جس ذات نے اندھیرا پیدا کیا ہے یقیناً وہ مجھے دیکھ رہی ہے
بڑا فرق ہے اس شخص میں جو زانیہ عورتوں کی گود میں مرے
اور اس شخص میں جو ارض وسماء کے رب کو سجدہ کرتے ہوئے مرے
بڑا فرق ہے اس شخص میں جو آلات موسیقی فسق اور نافرمانی کے درمیان مرے
اور اس شخص میں جو اللہ واحد مالک جزاء وسزا کا ذکر کرتا ہوا مرے
جو تُو چاہتا ہے اپنے نفس کے لیئے پسند کر لے۔

ایمان کی ٹکٹ

عیسائی دنیا نے اسے صومالیہ کے مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے خفیہ مشن پر بھیجا تھا۔ لیکن وہ جرمنی سے صومالیہ پہنچتے ہی مسلمانوں کے دین سے متاثر ہوگیا...... اور پھر صرف اللہ کی رضا کے لیئے عیسائیت چھوڑ دی اور اس کی زبان سے کلمۂ شہادت کا ورد جاری ہوگیا...... عیسائی دنیا میں ہلچل مچ گئی' انہوں نے اس سے تعلقات توڑ دیے ...... ادھر اللہ کی رحمت جوش میں آئی' اللہ کریم نے اس پر اپنے انعامات کی بارش کرتے ہوئے اس کو پہلے سے بہتر نعم البدل عطا کر دیا اور دنیا میں اس کے نام کو روشن کرکے ہر جگہ عزت احترام' شرف ومنزلت اور توقیر کو اس کا مقدر ٹھہرا دیا.......

۳۶ سالہ جی میشیل عیسائیت کے اس تبلیغی مشن کا سربراہ تھا' جو مغربی جرمنی سے "کارروائی" کے لیئے صومالیہ آیا تھا۔ چونکہ وفد "کام" کے لیے آیا تھا تو لازمی طور پر اس کا نام " اندھے پن کی امراض کی روک تھام کا قومی منصوبہ " رکھا گیا تھا۔ ڈکٹروں کی جماعت میں میشیل چونکہ سب سے زیادہ ماہر تھا لہٰذا اس کا سربراہ بننا اور مزید منصوبے کا نگران بھی ہونا کچھ عجب نہ تھا۔ یہ وفد ۱۹۸۷ء کے دورانِ سال میں چلا۔اس کے ذمہ براعظم افریقہ میں "اندھے پن کی امراض کی روک تھام" کے لیبل کے تحت عیسائیت کو پھیلانا تھا۔ میشیل کی صاف اور میٹھی گفتگو آگے آتی ہے کیونکہ وہ دل سے پھوٹ رہی ہے' اگر بات میں لکھوں تو میشیل کی بات سے صدق اور احساس کے لحاظ سے یقیناً مختلف ہوجائے گی۔ لہٰذا میں اسے آپ کے لیے چھوڑتا ہوں۔ جی میشیل کہتا ہے:

مجھے صومالیہ اور صومالیوں میں رہ کر بہت خوشی محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے کہ وہ ہم سے بہت اچھے پیش آتے تھے یا اس لیے کہ ہم کو اس غریبی کا احساس تھا جس کی

طرف وہ اپنے آپ کو منسوب دیکھتے تھے' گو کہ وہ اگر بہت مالدار بھی ہوتے کیونکہ اُن کے چہرے باوجود گندمی (کالے) ہونے کے بہت پیارے تھے' جن کی ہر حرکت اور اُن سے صادر ہونے والے ہر اشارے کی آسانی سے ترجمانی کی جا سکتی تھی۔ اس اہم جگہ پر رہ کر میری خوشی کے پیچھے بہت سی چیزیں کار فرما تھیں۔ ظاہر ہے کہ کام میں میری مصروفیت کی بہتات' میری خوشی اور صومالی قوم کی طرف سے میرے بہت زیادہ احترام کی وجہ سے میں اپنا "اصل مقصد" بھول گیا۔ جس کی وجہ سے میں اور پوری ٹیم آئی تھی۔ بڑی عجیب تیزی سے مسلمان میرے دوست بن گئے۔ وہ میرے متعلق پوچھتے رہتے اور میں اُن کی خبر گیری میں لگا رہتا۔ "اندھے پن کی امراض کی روک تھام" میں میں نے اپنی جان لڑا دی۔ میں دس قسم کے حالات کے علاج میں نگرانی کرتا تھا' کسی بھی سڑک یا ہجوم پر سے گزرتے ہوئے سب زبانوں سے میرے لیے مدح و تعریف کے الفاظ نکلتے تھے۔ میں ان کے الفاظ کو سمجھتا تھا گو کہ وہ میری زبان میں نہ نکلتے تھے لیکن یہ احساس کی زبان تھی۔

ضروری نہیں کہ ہر بات زباں سے کہہ دی جائے
زبان اک اور بھی ہوتی ہے اظہارِ تمنا کی

ان سب انتہائی مصروفیات کے دروان "اندھے پن کی روک تھام" میں عظیم کامیابیوں پر پندرہ ماہ گزرنے کے بعد مجھے جرمنی سے تنظیم کے صدر دفتر سے ایک تار موصول ہوا' جو دفتر جرمنی سے اس منصوبے کو چلانے کی نگرانی کرتا ہے! میں نے اپنے دل میں کہا "شاید یہ عظیم خوشخبری ہو گی" لیکن اس تار میں انہوں نے مجھے فوراً واپس پہنچے کا حکم دیا تھا۔ "شاید وہ میرے کام میں جان کھپا دینے پر شکریہ ادا کریں گے شاید وہ مجھے اور پوری ٹیم کو انعامات دیں گے۔" اس طرح کے خیالات تیزی سے میرے ذہن میں آ رہے تھے۔ لیکن میں آپ کے سامنے ان کے مطالبے کی وضاحت ہی نہیں کر سکتا کہ جب انہوں نے مجھے ایک نیا تربیتی کورس کرنے کے لیئے انگلینڈ پہنچنے کا حکم دیا بقول ان کے کہ یہ کورس مجھے اپنے مقصد کی کامیابی میں مدد دے گا

حالانکہ میرا مقصد پوری کامیابی سے جاری تھا۔ وہاں بڑے عمدہ طریقے سے کام ہو رہا تھا۔ میرے جیسے آدمی کو اس کورس کا کیا فائدہ تھا جو اس سے پہلے تمام کورسز میں اول آ چکا تھا؟ میں وضاحت طلب نہ کر سکتا تھا بلکہ اس کے تحت میں "جی" سے زیادہ جواب نہ دے سکتا تھا۔ میں انگلینڈ کو چل پڑا' وہاں میں نے پورا مہینہ گزارا اور مغربی جرمنی لوٹ آیا۔ مجھے صومالیہ واپس پہنچے کے حکم کا انتظار تھا۔ ایک ہفتہ بعد مجھے تنزانیا جانے کا حکم ملا۔ اب دوسری مرتبہ میں تنزانیا بھیجے جانے کی وضاحت طلب نہ کر سکتا تھا جب کہ میں صومالیہ میں کامیاب تھا۔ چونکہ میں نے ان وجوہات پر بحث نہ کی تھی لہٰذا چار ہفتوں بعد انہوں نے مجھے تار بھیجا جس میں مجھے صومالیہ واپس جانے کا حکم تھا۔ میں خوشی سے رونے لگا۔

پیارے چہروں اور نرم دلوں سے جدائی کے پانچ ماہ بعد میں صومالیہ واپس پہنچا۔ میں نے فوراً منصوبے پر کام کا آغاز کر دیا۔ میں نے اپنی نگرانی اور کام کا پریکٹیکل شروع کر دیا۔ صومالیوں کو میرے واپس آنے پر ایسی خوشی ہوئی جیسے کسی مرض والے ایسے مریض کی آنکھ میں ہوتی ہے جس کا علاج پورا ہو چکا ہو۔ اگر مجھے مبالغے کا الزام نہ دیا جائے تو میں یہ بھی کہہ دوں کہ ان کو میرے آنے پر ایسی خوشی ہوئی جیسے نابینے کو اس کی نظر واپس آجانے پر خوشی ہو۔ خصوصاً یہ چیز میں نے اپنے دوست "محمد باہور" سے محسوس کی۔ محمد باہور نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ وہاں اس کے خاندان اور پڑوس کے لوگوں نے بڑے عمدہ طریقے سے مجھے خوش آمدید کہا۔ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے اچانک میں ایک آدمی پر متوجہ ہوا جو جدید انداز میں انگلش بول رہا تھا۔ مجھے اس پر بہت خوشی ہوئی ۔ اور میں مزید خوش ہوا جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ محمد کا والد ہے۔ یہی وہ غنیمت تھی جو ہاتھ آئی ۔ یہی وہ دوسرا اور اہم مقصد تھا جس وجہ سے میں صومالیہ آیا تھا' جو اب پورا ہوتا نظر آ رہا تھا۔ یہاں عیسائیت کی تبلیغ میں زبان بڑی نافرمان (رکاوٹ) بن کر کھڑی تھی لیکن اس طرح کا آدمی عیسائیت کی بشارتیں پہنچانے پر میری مدد کر سکتا تھا خصوصاً جب کہ اس آدمی کا سب احترام بھی کرتے تھے اور اس

کی ایسی عزت کرتے تھے کہ جیسے سب اس سے ڈرنے والے ہوں۔

یہ یقیناً بہت آسان ہے اور میں اپنے کام پر چل دیا۔ یہ بات تو ختم ہوئی اب میں "محمد باہور" کو تلاش کرنے لگا اس بات کی لالچ میں کہ وہ مجھے نئی دعوت پر بلائے تاکہ میری اس آدمی "جاپانی" سے ملاقات ہو جائے۔ وعدہ ہوا اور ملاقات ہو گئی۔ آغاز اچانک ہو گیا جب میرے بیٹھتے ہی اس آدمی نے سوال کیا کہ میرا فطرتی کاروبار اور شغل کیا ہے؟ میں نے کہا "میڈیکل۔" اُس نے مجھ سے کہا: "قرآن کریم پیدائش و پرورش کے مراحل اور جو کچھ انسان میں تبدیلیاں آتی ہیں اُن کی تفصیلاً تشریح کرتا ہے۔" وہ آدمی گویا پہلے ہی ایک اچھے موقع کے انتظار میں تھا۔ وہ بہت اچھی انگریزی زبان میں گفتگو کرنے لگ گیا' یہ کچھ اہم نہیں۔ لیکن اہم یہ ہے کہ ہر وہ لفظ جو اس کے منہ سے نکل رہا تھا اس کو وہ ایک جذبے سے بول رہا تھا۔ میں وضاحت سے آپ کو بتا رہا ہوں کہ مجھے اس کتاب (قرآن مجید) کی حد درجہ مہارت پر رعب محسوس ہوا' جس کی عمر (دنیا میں آنے کے بعد) ۱۴۰۰ سال سے زائد ہے۔ وہ بچے کی عورت کے پیٹ میں پرورش اور نشوونما کی کیفیت کے حوالہ سے بات کرتی ہے۔ میں نے کئی سال پڑھا اور پر مشقت تجربے کیے پھر کہیں جا کر مجھے بچے کی نشوونما کے مراحل کا علم ہوا تھا' لیکن جو کچھ اس آدمی نے بتایا تھا اس نے مجھے بہت کھینچا اور مجھے بہت پریشان کر دیا۔

حسبِ عادت میں نے اپنے دل کو تسلی دی اور آہستہ آہستہ اس رعب کی طاری گھبراہٹ ختم ہوئی اور تب کہیں جا کر سکون ملا اور میں سونے کے قابل ہو گیا۔ میں نے اپنے بعض ضروری کام ٹیم کے سپرد کر دیئے اور خود اس بات کو سوچنے پر لگ گیا کہ میں اپنے مقصد کے دوسرے حصے عیسائیت کی تبلیغ میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہوں؟ جیسے میں پہلے حصے "اندھے پن کی امراض کی روک تھام" میں کامیاب ہوا تھا۔ یہ درست ہے کہ مجھے صومالیہ اور صومالیوں سے محبت ہو گئی تھی لیکن میں اپنے کام سے بھی محبت رکھتا تھا اور عیسائیت سے بھی۔ تو میں انہیں اُس کی طرف کیوں نہ کھینچوں؟

میں انہیں عیسائی کیوں نہ بناؤں!!؟ ایک نئی مجبوری بن گئی محمد باہور سے پہلے میں درخواست کیا کرتا تھا کہ میں اُن کو ملوں گا لیکن اب میری درخواست سے پہلے وہ اچانک مجھ سے درخواست کرنے لگا کہ اگر ممکن ہو تو میں اس کے باپ سے روزانہ ملاقات کروں' کیونکہ وہ مجھ سے محبت رکھتا ہے اور میرے ساتھ ہمیشہ بیٹھنا پسند کرتا ہے۔ مجھے پہلے تو خوشی ہوئی لیکن میں نے اپنے دل کو کہا: "میں کیسے خوش ہوتا ہوں جبکہ میں اب تک اُس پر قابو نہیں پا سکا۔ وہی ہمیشہ (اسلام کے متعلق کوئی سوال کر کے) پہل کر دیتا ہے' کیوں نہ حملے اور جارحیت میں میں پہل کروں؟ میں آپ کو تیسری' چوتھی اور پانچویں ملاقات میں پیش آمدہ تفصیلات بتا ہی نہیں سکتا۔ میں نے اپنے آپ کو مکمل گھیرا ہوا پایا۔ میں اُس آدمی کے پاس جاتا ...... میں مقابلے کے لیے مکمل تیار ہوتا ...... لیکن اُس کی گفتگو' اس کی سچائی شرح و توضیح پر اُس کی ممتاز قدرت اور گرفت نے مجھے ایسا بنا دیا کہ میں اس کے سامنے شاگرد لگتا تھا' جو دین کے اسباق کو پہلی مرتبہ سن رہا ہو۔ میں نہ جانتا تھا کہ محمد باہور کے گھر کے پہلے سفر سے ہی عیسائی دنیا کی طرف سے میری نگرانی کی جا رہی ہے۔ لگتا ہے کہ یہ نگرانی انتہائی خفیہ تھی جو یہاں تک پہنچی کہ میڈیکل ٹیم کے افراد مجھ سے مباحثہ کرنے لگے اور مجھ سے مطالبہ کرنے لگے کہ میں مسلمانوں کے اس گھر نہ جاؤں اور اس خاندان سے کوئی تعلق نہ رکھوں۔ نگرانی مکمل ہوئی' رپورٹ مرتب کر کے جرمنی بھیج دی گئی جس کے نتیجہ میں مغربی جرمنی سے ایک فیصلہ جاری ہوا جس میں قطعی طور پر میرے اس مرکز کو فوری چھوڑنے کا حکم تھا۔ اس حکم کے نفاذ سے ایک روز قبل میں نے ایک اور فیصلہ دیکھا کہ "محمد باہور" کو جو ہمارے ساتھ کام کرتا تھا' اُس کو کام سے بدل کر کسی اور جگہ بھیج دیا جائے۔

کوئی طاقت ایسی نہ تھی جو مجھے "محمد باہور" سے' اُس کے باپ سے' اُس کے خاندان اور تمام صومالیوں سے محبت رکھنے سے' روک سکے۔ میں چند روز موغا دیشو میں رہا۔ میں رات کو کھسک جاتا' کسی اور ٹرک پر سوار ہو کر محمد کے رہائش والے گھر

میں پہنچ جاتا لیکن یہ سلسلہ زیادہ دیر نہ چلا۔ جرمنی سے "اس" مشن کے سربراہ نے علاقہ میں قانون نافذ کرنے والے ادارے کے کسی سربراہ کو بڑی رقم بھیج دی۔ یہ اس لیے تھی کہ مجھے اِس علاقے میں پہنچنے سے روکا جائے۔ جب میں دیگر ذمہ داران کو اس کام میں ایک گونہ مہارت اور فائدہ کی بناء پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گیا تو........

ایک تکلیف دہ خبر آئی کہ "محمد" کو میرے ساتھ تعلق کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا ہے۔ میں "محمد" کی وجہ سے بہت رویا۔ مجھے بہت دکھ ہوا کہ میں اُس کے والد کے ساتھ (اسلام اور عیسائیت کے موضوع پر) بات انتہاء تک نہ پہنچا سکا تھا۔ میں اس کو انتہاء تک پہنچانا چاہتا تھا یا زیادہ واضح معنوں میں ابتداء تک۔ انتہاء تو ان شکوک کی تھی جو اس آدمی کی باتوں سے میری عقل و فکر میں دوڑنے لگے تھے۔ یا ابتداء کسی نئے سفر اور نظریہ کی۔ اِسی دوران جرمن عیسائی مشن کی طرف سے ایک اور تار آیا جس میں مجھے اِنہی دنوں میں فوری صومالیہ چھوڑنے اور تفریحی چھٹیاں گزارنے کے لیے کینیا پہنچنے کا حکم دیا گیا۔

میں نے اپنے بعض کاغذات مرکز والی جگہ سے لینے کا بہانہ کیا۔ میں نے قانونی ذمہ دار کو اس کی درخواست دی اور فوراً محمد باہور کے گھر گیا۔ میں نے اس گھر میں غیر معمولی خوشی دیکھی۔ مجھے اس کے والد نے کہا "تو خیر اور برکت والے مہینے کے آغاز پر آیا ہے۔" میں نے اس مہینے کے متعلق سوال کیا تو اس نے کہا کہ "یہ رمضان المبارک ہے۔" میں نے سحری کا کھانا اُن کے ساتھ تناول کیا۔ فجر سے کچھ پہلے میں نے دیکھا سب علاقہ نماز کے لیے نکل آیا ہے۔ میں اُن کے پاس پورا دن رہا۔ میں نے مجبوراً ان کے دین کے حکم کے احترام میں پورا دن اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ کھانے اور پینے کو بند کر دیا۔ نیروبی میں ایئر پورٹ پر میرا ایک شخص نے استقبال کیا اور مجھے بتایا کہ میں ہوٹل کی بجائے ایک بڑے گھر میں ٹھہروں گا۔ یہ میری واضح عزت افزائی تھی۔ لیکن چند ہفتوں بعد مجھے ایک اور تکلیف دہ خبر ملی۔ تار موصول ہوا جس میں تھا

"امن و امان کی وجہ سے تم دوبارہ کبھی صومالیہ واپس نہیں جا سکتے۔" کیوں؟ اور کیسے؟ یہ فیصلہ کس کے مفاد میں تھا؟ مجھے کوئی نہ ملا جو میرے سوالات کے جوابات دے۔ میں کچھ دیر پر سکون ہوا' مجھے اپنے ساتھ محمد' اس کے والد اور اس کے خاندان کا کریمانہ برتاؤ یاد آ گیا۔ مجھے صومالیہ کے وہ تمام چہرے یاد آنے لگے جن سے میں ملا تھا۔ اسی دوران مجھے اپنے والد کا گرما گرم خط ملا جس میں مجھ سے جس قدر جلد ممکن ہو جرمنی لوٹ آنے کا مطالبہ تھا۔

خط کی سطریں کہہ رہی تھیں یا سمجھا رہی تھیں کہ میرے باپ کو وہ باتیں سمجھ آ گئی ہیں جو میرے صومالیہ کی طرف سفر کرنے کی صورت میں سنگینی کا باعث بنے گیں۔ مجھ پر یہ عقدہ بھی کھل گیا کہ مغربی جرمنی کی حکومت کے پاس میرے اور میرے تمام کاموں تعلقات کے متعلق تفصیلی ریکارڈ موجود ہے۔ اور میرے متعلق اُس نے آخری فیصلہ کر لیا ہے۔

میں نے موازنہ کیا جو کچھ جرمنی میں اور جو کچھ صومالیہ میں ہو رہا ہے کہ لوگوں کو میرے متعلق دلچسپی ہے اور اُن کو بڑی بے چینی ہے اور وہ مسلسل میرے متعلق پوچھتے ہیں۔ میں نے اپنے دل کے دروازے کو (اِن باتوں سے) بند کر لیا اور میں نے اُن اسباق کو دہرانا شروع کر دیا جو میں نے محمد کے باپ سے سنے تھے۔

میں نے ایک سفید عمدہ کاغذ پکڑا' قلم نکالا اور اپنی مغربی جرمنی کی حکومت کو یہ تار لکھ بھیجا:

"پورے طور مطمئن رہو! ہر چیز اپنے مقصد کو پہنچتی ہے' میں عنقریب اسلام کو اپنا لوں گا۔"

میں نے اپنا خط لیٹر بکس میں ڈال دیا تاکہ میں بے چینی اور کشیدگی کے اس سفر کو ختم کر دوں۔ جب میں لیٹر بکس کی طرف جا رہا تھا گویا کہ میں شب عروسی کا دولہا تھا۔ میں نیروبی میں اپنے دوستوں کے پاس گیا۔ میں نے اُن کو کہا "میں نے صومالیہ واپس جانے کا فیصلہ کر لیا ہے خواہ اس کیلئے مجھے کیسی ہی تکلیف اٹھانی پڑے' میں اس کیلئے تیار ہوں' میں بہت جلد جاؤں گا" گو کہ اسکے باعث مجھے قتل بھی کر دیا جائے۔" میری

عادت تھی کہ میں جو فیصلہ کر لیتا اُس کو میں کبھی واپس نہ لیتا تھا۔ سوائے پہنے ہوئے کپڑے کے، میں نے اپنی تمام اشیاء اور ملبوسات کو بیچ دیا، تین جوتے میں نے اپنے پاس رکھے تھے۔ میرے لیے ممکن ہو گیا کہ ان کے عوض میں میں ایمان کا ٹکٹ خرید لوں۔ جی ہاں! میں موغا دیشو پہنچ گیا اور وہاں سے سیدھا باہور کے باپ کے گھر۔ جب اُس نے مجھے گلے لگایا تو میں نے فوراً اُس کے کان میں کہہ دیا:

"اَشْهَدُ اَنْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ"

میرے پاس خوشی کے لیے بھی وقت نہ تھا۔ میں پڑھنے اور اچھے انداز میں قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کو حفظ کرنے پر متوجہ ہو گیا۔ صومالیوں کو مجھ پر بہت ہی فخر تھا۔ چونکہ علاقہ کے ذمہ داران بھی اِسی قوم کی بنی ہوئی چادر کا ایک حصہ ہوتے ہیں، وہ ایک ایسا فیصلہ جاری کروانے میں کامیاب ہو گئے جس میں مجھے چلنے پھرنے اور صومالیوں کے ساتھ کسی بھی وقت کسی بھی جگہ رہنے کی گنجائش دے دی گئی، جیسے کوئی سگا (حقیقی) بھائی ہو۔ صومالیوں کی طرف سے اپنے اس نئے مسلمان بھائی کا نیا نام عبدالجبار رکھا گیا۔ اب مجھے صرف منصوبے کی فکر ہے جس کو پورا کرنے کے لیے ہم آئے تھے۔ کیونکہ عیسائیوں کی طرف سے وہ منصوبہ الحمدللہ بند ہو گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ دوسرے یا پہلے حصے میں کامیاب ہو جو کہ عیسائیت کے ساتھ خاص تھا۔ لیکن اُس کو علاج کے معاملہ میں خاص کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں۔ اِسی لیے مجھے یہ اچانک نہیں لگ رہا کہ مکہ مکرمہ سے رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمرالنصیف نے اس پر موافقت فرمائی اور کہا کہ میں اس منصوبے پر ایک نئی صورت پر کام شروع کر دوں۔ (یعنی عیسائی مشنری جو "اندھے پن کی بیماریوں کے علاج" کا منصوبہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں کہ مسلمان عیسائی نہیں بن رہے۔ تو وہ منصوبہ نئے مسلمان ہونے والے ڈاکٹر صاحب چلائیں ہر قسم کی امداد اور سرمایہ وغیرہ ہم مہیا کریں گے) جو صورت خیر اور اللہ کی رضا کے لیے خالص عمل کی ہے۔ اور جی ہاں میں آ رہا ہوں۔

وصلی اللھم و سلم علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ اجمعین

عصمت صحابہ کی غیرت کا انعام

ایک بھائی (م۔ ع) جو پنجاب کے شہر گوجرانوالہ کے ایک نواحی علاقہ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے ایک عرصہ تک لاہور میں پاکستان کے ایک قومی اخبار میں بطور سب ایڈیٹر کام کیا۔ نہایت قابل محنتی اور ذہین انسان ہیں۔ اپنے فیلڈ میں خاصا تجربہ رکھتے ہیں۔ منجھی اور سلجھی ہوئی حقائق پر مبنی صحافت کے علمبردار ہیں۔ عقیدہ توحید کے حامل شرک سے بیزار اور صحابہ کی عصمت و توقیر کی تڑپ بڑی شدت سے اپنے دل میں رکھتے ہیں۔

ان کی قابلیت کو دیکھ کر ایک دوسرے نئے نکلنے والے قومی اخبار نے ان کی قابلیت و اہلیت سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اور اس مقصد کے لیے ان کو آگاہ کیا اور ساتھ یہ آفر بھی کی کہ ہم آپ کو ابھی شروع میں ۱۰ ہزار روپیہ تنخواہ دیں گے جبکہ آپ جس اخبار میں کام کر رہے ہیں اس کی انتظامیہ آپ کو صرف ۶ ہزار ماہانہ مشاہرہ دے رہی ہے۔ ہم نہ صرف ۱۰ ہزار روپے دیں گے بلکہ عنقریب بڑھا کر ۱۵ ہزار کر دیں گے اور پھر مزید ترقی دے کر آپ کو اسلام آباد کے ہیڈ آفس میں متعین بھی کر دیں گے۔ ثبوت کے طور پر انہوں نے ۱۰ ہزار روپے پیشگی ایڈوانس تنخواہ بھی دے دی تاکہ بات پکی ہو جائے۔

اس تبدیلی پر اس کے گھر والے بھی بہت فرحاں و شاداں تھے۔ اور موصوف خود بھی .... لیکن ایک دن اس بھائی کو پتہ چلا کہ یہ اخبار تو اس شخص کی ملکیت ہے جو صحابہ کو سب و شتم کرتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے' ان کے خلاف دشنام طرازی کر کے

اپنے خبث باطن کا اظہار کرتا ہے ...... تو اس کی رگ حمیت پھڑکی ...... دل گھبرایا ...... دماغ سنسنا اٹھا ...... اللہ کے ڈر اور صحابہ کی عصمت کی حمیت و غیرت میں اس کے جسم کا رواں رواں کانپ اٹھا ...... لہٰذا اس نے سوچ سمجھ کر' ٹھنڈے دل سے' غور و فکر کے بعد ...... ایک مضبوط فیصلہ کیا۔ لہٰذا کاغذ قلم پکڑا اور متعلقہ اخبار کو اپنا معذرت نامہ لکھ دیا کہ "میں آپ کے اخبار میں کام نہیں کر سکتا' آپ کے عطا کئے ہوئے ایڈوانس ۱۰ ہزار روپے بھی واپس بھیج رہا ہوں۔" اور پھر اس نے ۱۰ ہزار واپس کر کے اس پر کشش ظاہری ترقی پر مبنی نوکری کو صرف صحابہ کی محبت کی بنا پر پاؤں کی ٹھوکر مارتے ہوئے رد کر دیا۔

جب اس بھائی کے والد کو پتہ چلا تو اس نے ظاہری چمک دمک' ٹھاٹھ باٹھ' رعب داب' اور بڑی تنخواہ سے متاثر ہو کر پوچھا: "بیٹے تم نے اتنی اچھی نوکری کیوں چھوڑ دی' لوگ تو اس کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں' سفارشیں ڈلواتے ہیں' اور تم نے گھر آئی ہوئی ترقی کو پائے حقارت سے ٹھوکر مار دی' آخر کیوں؟ تمہارے پاس وہ کون سی دولت اور قارون کا خزانہ ہے کہ جس کے بھروسہ پر تم نے یہ اتنا بڑا اقدام کیا اور اپنی سابقہ نوکری بھی چھوڑ دی ہے' اب تو بے روزگار پھرو گے۔" تو اس بھائی نے جواب دیا:

> "ابا جان! وہ دولت جس کی بنا پر میں نے یہ کام کیا' وہ ہے حب صحابہ کی دولت' عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کی دولت' جو اصل میں ایمان کی دولت ہے۔ اور کوئی مسلمان ایمان جیسی دولت کو بے عملی' بے حمیتی اور سکوں کی چمک کی بھینٹ نہیں چڑھا سکتا۔ صحابہ کی محبت میں یہ تو ایک نوکری ہے میں ایسی سینکڑوں نوکریاں قربان کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے اس بندے کی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ اس نے اپنے نبی کے اس فرمان کہ:

((مَنْ تَرَكَ لِلّٰهِ شَيْئًا عَوَّضَهُ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهُ))

"جس نے اللہ کے لیے کوئی چیز ترک کر دی اللہ اس کو اس کے بدلے میں ضرور بہتر چیز سے نوازے گا۔"

کے مطابق اس نئے اخبار کی پرکشش نوکری سے بھی بہتر نوکری عطا کر دی۔ اور اس چھوڑی ہوئی نوکری کے عوض اسے "پاکستان بیت المال" میں گزٹڈ آفیسر کی نوکری دے دی۔ اللہ اکبر

”گیتا“ چھوڑی اللہ نے مجاہد بنا دیا

ہندو دھرم کے پجاری اگر اپنے سائے سے ڈر جائیں تو اسے بھی اپنا معبود مان کر اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے معبودان باطلہ لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں ہیں۔ سانپ' بچھو سمیت جتنے وحشی درندے ہیں سب ان کے دیوتا اور بھگوان ہیں' یہ ان کے بت بنا کر ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان میں بھی درندگی در آتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ الہ واحد کے حضور سربسجود ہونے والے مسلمان تو ایک طرف خود ان کے ہم مذہب بھی نیچ ذات' شودر' دلت ہونے کی بنا پر ان کے ظلم و ستم کا آئے روز نشانہ بنتے رہتے ہیں۔ ویسے بھی یہ دیگر باطل مذاہب میں سب سے گھٹیا مذہب ہے۔ اسی مذہب کے پیرو کار امیتابھ رام ساکن بہاولپور کو رب ذوالجلال نے اپنے نور ہدایت سے مستفید کر کے امیتابھ سے عبدالرحمٰن بنا دیا۔ عبدالرحمٰن بھائی کچھ تبلیغی احباب کی دعوت سے متاثر ہوئے اور انہوں نے ہندو دھرم کی تاریکیوں سے نکل کر گیتا اور اس کی (ہندو مذہب کی) تعلیمات کو چھوڑا اور اسلام کے دامن رحمت میں پناہ لی۔ عبدالرحمٰن بھائی بتاتے ہیں کہ:

انہیں ہندوؤں کی مقدس کتاب گیتا کے دس جز زبانی یاد تھے۔ وہ ہندو دھرم کا اچھا خاصا علم رکھتے تھے اور ان کی حیثیت ان میں ایک مبلغ کی تھی۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے توحید کی سمجھ عطا کی' دل کے بند دروازے وا ہوئے تو وہ صراط مستقیم کے مسافر بن گئے۔ اسلام قبول کرتے ہی ماں باپ' بہن بھائی سبھی دشمن بن گئے۔ وہ بیٹا جو کل آنکھ کا تارا تھا' اب قابل نفرین ٹھہر چکا تھا۔ تشدد کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسلام سے ہٹانے کے لیے لالچ اور دھمکیاں سبھی ہتھکنڈے استعمال کیے گئے مگر کوئی کارگر نہ ہو سکا۔ اب انہوں نے آخری چال یہ چلی کہ عبدالرحمٰن کی شادی ایک ایسی

ہندو لڑکی سے کر دی جسے گیتا پر مکمل عبور حاصل تھا اور وہ اس کی حافظہ تھی۔ یوں دونوں گیتا کے حافظ رشتہ ازدواج میں بندھ گئے۔ اس سے ہندوؤں کا مقصد تھا کہ یہ گیتا کی حافظہ اسے اسلام کی کشش سے ہٹا کر ہندو دھرم میں واپس لے آئے گی۔ میاں بیوی میں سے ہر ایک کی یہی کوشش تھی کہ وہ اسے اس کے دین سے پھیر دے۔ دونوں طرف سے دعوت کے میدان میں مقابلہ جاری تھا کہ حق غالب آگیا اور باطل دب گیا۔ ہندو لڑکی ہندو مذہب سے متعلق عبدالرحمٰن بھائی کے استفسارات سے لاجواب ہو کر اسلام کی پر رحمت چوکھٹ پر جھک گئی اور یوں اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمٰن بھائی کی بیوی کو بھی اسلام کی نعمت سے نواز دیا۔ جماعۃ الدعوۃ کے ایک کارکن کی دعوت پر اب یہ بھائی دورہ صفہ کر رہے ہیں اور اس کے بعد اللہ کے دین کو سربلند کرنے کے لیے مجاہدین کی صفوں میں شامل ہو کر غزوہ ہند میں شمولیت کی سعادت سے بہرہ مند ہونا چاہتے ہیں۔ اللہ کریم سے دعاء ہے وہ انہیں ثابت قدم رکھے۔ آمین۔[1]

جوا میں تعاون ترک کرنے کا انعام

لاہور کے رہنے والے ایک بھائی جو سکول کے دور میں جماعۃ الدعوۃ کے ایک کارکن بھائی سے ٹیوشن پڑھتے تھے۔ بعد میں ان بھائی نے انجینئرنگ یونیورسٹی سے انجینئرنگ کی ڈگری لی اور پھر امریکی یہودیوں کی کمپنی ہارویسٹ میں ملازمت اختیار کر لی۔ یہ کمپنی وسیع پیمانے پہ جوا کراتی ہے اور اس جوئے کی آمدنی سے حاصل ہونے والی دولت سمیٹ کر یہاں سے لے جاتی ہے۔ مذکورہ بھائی کو بھی پر کشش تنخواہ کے ساتھ مستقبل قریب میں جواریوں کے ساتھ تعاون کے صلے میں بہت سی سہولیات ملنے والی تھیں۔ اس بھائی کی ملاقات اپنے سابقہ ٹیوٹر اور جماعۃ الدعوۃ کے کارکن

بھائی سے ہوئی۔ جب انہیں پتہ چلا کہ ان کا شاگرد ہارویسٹ میں ملازم ہے تو انہوں نے بھائی کو بتایا کہ جوا تو شیطانی عمل ہے اور حدیث میں ہے کہ جو اپنے دوست سے اتنا کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو اسے اس دعوت گناہ کے کفارے کے طور پر صدقہ کرنا چاہیئے۔ اس لیے ہمیں چاہیئے کہ ہم دنوں میں امیر کبیر بننے کے خواب دیکھنے اور ناجائز ذرائع سے امیر بننے کی بجائے اپنے رب کو راضی کر کے اس کی جنت کے وارث بنیں۔ اس بھائی نے اپنے معلم کی دعوت سے متاثر ہو کر اپنے سابقہ عمل سے توبہ کی اور اس نوکری کو جوتے کی نوک پہ ٹھوکر مار دی کہ جس کی خواہش ہزاروں دنیا دار رکھتے ہیں۔ اور پھر اس کمپنی کی نوکری چھوڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے روزگاری کی ذلت سے بچا کر بہتر حلال روزگار بھی مہیا کر دیا اور پر سکون' اطمینان بھری زندگی کے ساتھ ساتھ لوگوں کے دلوں میں ان کی عزت و احترام بھی پیدا کر دیا۔ سچ کہا قرآن نے:

﴿ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ﴾

"وہ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر کے رکھ دیتا ہے۔ بے شک صرف اسی کے ہاتھ میں ہی ہر قسم کی بھلائیاں ہیں۔"

اب یہ بھائی ایک باوقار ٹیچر کی حیثیت سے نسل نو کی تربیت اسلامی نہج پہ کرنے میں مصروف ہیں۔ اللہ انہیں استقامت نصیب فرمائے۔ آمین۔ [1]
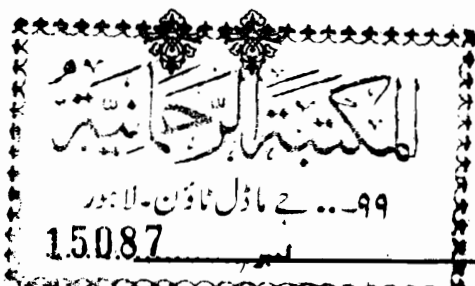
[1] ماہنامہ مجلہ الدعوۃ لاہور' نومبر ۲۰۰۲ء ص ۴۴' ۴۵۔

شیطان کے پرفریب ہتھکنڈوں کی بنا پر حرص وہوس، لالچ وطمع، مال ودولت، لذات وشہوات کے کانٹوں اور دلدلوں میں گھری اس عارضی دنیا میں انسان گناہوں کا رسیا اور عادی ہو چکا ہے۔ وہ سر کے بالوں تک گناہوں کی دلدل میں اس قدر دھنس چکا ہے کہ اس سے نکلنے کا خیال تک نہیں، اگر کسی اللہ کے بندے کو خیال آ بھی جائے تو وہ یہ گمان کرتا ہے کہ بس یہ میرا آخری گناہ ہے اس کے بعد نہ کروں گا........ اس دفعہ تو فلاں مجبوری تھی آئندہ یہ جرم نہ کروں گا...... یا ابھی لمبی عمر پڑی ہے آخری عمر میں یہ گناہوں بھری زندگی چھوڑ کر نیک بن جاؤں گا اور اللہ سے توبہ کرلوں گا.. .... لیکن اسے نہیں معلوم کہ کل کس نے دیکھی ہے؟ وہ جو کام کل پر چھوڑ رہا ہے اس کی ابتدا آج ہی سے کیوں نہیں کر رہا!!؟ ..... ایسی تاویلوں، حیلوں، حجتوں اور بہانوں کو جو یک جنبش پس پشت ڈال کر گناہوں کی زندگی کو خیر باد کہہ کر، گناہ و معاصی چھوڑ کر، نیکیوں، سعادتوں، رفعتوں اور بلندیوں والی زندگی کو اپناتے ہیں، ایسے لوگوں کو ظاہری طور پر شیطان یہ خوف دلاتا ہے کہ اگر تم نے یہ چیز (گناہ) چھوڑ دی تو تمہیں شدید نقصان اٹھانا پڑے گا۔ لیکن رسول رحمت ؐ نے فرمایا ہے کہ من ترک للہ شیا عوضہ اللہ خیرا منہ کہ جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے کسی غلط چیز (گناہ) کو چھوڑ دیتا ہے اللہ اس کو اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرماتا ہے۔ اس گناہ کو چھوڑنے کا نعم البدل اور متبادل دنیا اور آخرت دونوں جگہ ملتا ہے...... تو جو شیطان سے جنگ کرتے ہوئے، ٹکراتے ہوئے اور اس سے مقابلہ کرتے ہوئے...... گناہوں بھری زندگی کو ترک کرنے کا معرکہ جیت جاتا ہے وہ یقیناً انعام و اکرام کا حقدار ہے۔ اپنے مولا کریم اور بے پرواہ داتا کی طرف سے بہترین قدر دانی والے انعام کا۔ تو یہی بات اس کتاب میں ثابت کی گئی ہے اور ایسے ایمان افروز اور روح پرور نظارے دکھائے گئے ہیں کہ جب کسی اللہ کے عاجز بندے نے گناہوں و نافرمانیوں بھری زندگی کو چھوڑا تو کس طرح اس کے بے پرواہ داتا، مولا اور رب العالمین نے اس پر انعامات کی بارش کردی کہ یہ انعامات اس سے سمیٹنے مشکل ہوگئے۔

کتاب و سنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ